بسم اللہ الرحمن الرحیم

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز نمبر ۶۳

دوسری عدالت

اشتیاق احمد

ترتیب

کیا مطلب کا دن

وہ ان کے پاس آ کر رک گیا۔ دونوں نے نظریں اوپر اٹھائیں۔ اس کے چہرے پر موت کی زردی چھائی ہوئی تھی۔ پہلی نظر میں وہ انہیں مردہ لگا جو ابھی ابھی اپنی قبر سے اٹھ کر سیدھا ان کے پاس چلا آیا ہو۔ دونوں نے کام بند کر دیا اور اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ وہ بھی منہ سے ایک لفظ نکالے بغیر بس انہی کو گھورے جا رہا تھا۔

"خیر تو ہے جناب، ہم ہیں آپ کی کوئی چیز تو گم نہیں ہو گئی۔" فاروق نے عجیب بات کہی۔

"کیا مطلب؟" آخر اس کے ہونٹ ہلے۔

"آپ ہمیں اس طرح گھور رہے ہیں، جیسے ہم آپ کی کوئی چیز کھا گئے ہوں اور آپ اسے اپنی نظروں کی طاقت سے واپس کھینچ لینا چاہتے ہو۔" فاروق نے جواب دیا۔

"آپ دونوں محمود اور فاروق ہیں نا، انسپکٹر جمشید کے بیٹے۔"

اس نے جیسے اس کی بات سُنی ہی نہیں۔

"ہیں تو ہم وہی، بشرطیکہ آپ ہمیں نقلی نہ سمجھ لیں۔"

"کیا مطلب؟" وہ پھر چونکا۔

"یہ کیا مطلب آپ کا تکیہ کلام تو نہیں ہے؟" فاروق نے برا سا منہ بناتے ہوئے پوچھا۔

"یہ نقلی والی بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔" اس نے پھر اسی انداز میں کہا جیسے فاروق نے اس سے کوئی بات کی ہی نہ ہو۔

"آج کل ہر چیز کی نقل تیار کی جاتے لگی ہے۔ یہاں تک کہ لوگ بھی نقلی بننے لگے ہیں۔"

"نہیں!" اس کے لہجے میں بلا کی حیرت تھی۔

"آپ اس بات کو چھوڑیں اور یہ بتائیں، آپ ہم دونوں کو کس طرح جانتے ہیں۔ اس قدر جوش و خروش کے عالم میں ہمیں کیوں گھور رہے ہیں، آخر ہم سے کیا گناہ سرزد ہوگیا ہے؟"

"ٹھیک چھ بجے میں اپنے گھر میں مرا پڑا ہوں گا۔ مہربانی فرما کر میری لاش اٹھوا دیجیے گا۔" اس نے سرسری انداز میں کہا جیسے کوئی عام بات کہی ہو۔

"ٹھیک چھ بجے آپ مرے پڑے ہوں گے۔" محمود نے اسے گھورا۔

"ہاں!" اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"بھائی، عقل کے ناخن لو۔ اس وقت پانچ بجنے کے قریب ہیں۔ صرف ایک گھنٹے بعد آخر کیسے مرے پڑے ہو گے۔ ہاں دو چار گھنٹے بعد کی بات کرو تو ہم مان بھی لیں۔"

"ٹھیک چھ بجے، اسے نوٹ کرو۔ میں دیوان آباد کی تیسری گلی کے آخری مکان میں رہتا ہوں۔ وفات خان میرا نام ہے۔"

"وفات خان، یہ کیسا نام ہوا۔ میں نے اپنی تمام زندگی میں ایسا نام کسی کا نہیں سُنا۔" فاروق نے حیران ہو کر پوچھا۔

"میری ماں ان پڑھ تھی، اسے میرا یہی نام اچھا لگا۔ لوگوں نے اس سے کہا بھی کہ یہ کیسا نام ہوا۔ اس پر اس نے کہا، مجھے یہی نام پسند ہے اور پھر ایک دن تو سبھی کو مرنا ہے۔ ماں کی یہ بات سُن کر کسی کو کوئی جواب نہ سوجھا، لہذا میرا نام وفات خان ہی رکھا گیا۔"

"چلو ہم نے مانا کہ تمہارا نام یہی ہے، لیکن یہ کیا بات ہوئی کہ آج شام چھ بجے، یعنی اب سے تقریباً سوا گھنٹے بعد تم اپنے گھر میں مردہ ملو گے؟"

"بس میں نے کہہ دیا کہ مردہ ملوں گا، انہیں اس سے کیا۔ اچھا خدا حافظ، اب تم مجھے زندہ حالت میں نہیں دیکھ سکو گے۔"

یہ کہتے ہی وہ مڑا اور نیشنل پارک کے دروازے کی طرف چل پڑا۔

"ارے ارے، سنو تو بھئی، ابھی بات کہاں صاف ہوئی ہے۔"
محمود نے بوکھلا کر کہا۔ وہ چلتے چلتے رک گیا اور گردن ان کی طرف گھماتے ہوئے بولا:

"بات تو بہت پہلے صاف ہو چکی ہے، تم کون سی بات کی بات کرتے ہو۔" وفات خان بولا۔

"بات کی بات۔" فاروق کے منہ سے نکلا۔

"دیکھو بھئی، اگر تمہیں کسی سے خطرہ ہے تو ہم تمہاری مدد کرنے کے لیے تیار ہیں۔ پولیس کو بھی تمہاری حفاظت کے لیے بلایا جا سکتا ہے، یا پھر یہ کہ تمہیں کسی محفوظ مقام پر پہنچایا جا سکتا ہے، لہذا مہربانی فرما کر پوری بات بتا دو۔"

"پوری تو میں بتا بھی چکا، اب تو میرے پاس تمام باتیں ختم ہو گئی ہیں۔" اس نے ہونقوں کے سے انداز میں کہا۔

"باتیں ختم ہو گئی ہیں۔ یار تم بھی عجیب آدمی ہو۔ میں نے آج تک کوئی ایسا آدمی نہیں دیکھا، جس کے پاس باتیں ختم ہو گئی ہوں۔" فاروق نے اسے گھور کر دیکھا۔

"جس کی زندگی صرف ایک گھنٹے کی رہ گئی ہو۔ اس کے پاس باتیں کیا لینے آئیں گی۔" اس نے مایوسانہ انداز میں کہا۔

"تو کیا اس سے پہلے باتیں تمہارے پاس کچھ لینے آتی تھیں؟" فاروق کے لہجے میں بلا کی حیرت در آئی۔

وفات خان نے اسے تیز نظروں سے گھورا اور پھر سہمی آواز میں بولا:

"آپ کو ایک ایسے آدمی کا مذاق اڑاتے ہوئے شرم نہیں آتی جس کی زندگی ایک گھنٹے کی رہ گئی ہو۔"

"آپ غلط سمجھے۔ ہم آپ کا مذاق ہرگز نہیں اڑا رہے۔ حقیقت جاننے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

"حقیقت تو آپ کو ایک گھنٹے بعد معلوم ہو گی۔"
یہ کہتے ہی وہ تیزی سے مڑا اور دروازے کی طرف قدم بڑھانے لگا۔

"آؤ بھئی، اس کے تعاقب میں چلیں۔" محمود نے اعتراض کیا۔

"مجھے تو یہ کوئی پاگل لگتا ہے۔ اسے کس طرح معلوم ہو گیا کہ یہ ایک گھنٹے بعد مر جائے گا اور پھر اگر اس کی موت آ ہی گئی تو ہم کیا کر سکتے ہیں۔ ویسے بھی جس شخص کو ایک گھنٹے بعد اپنی موت نظر آ رہی ہو۔ وہ تو چلنے پھرنے اور باتیں کرنے کے قابل ہی نہیں رہ جاتا جبکہ یہ بالکل ٹھیک ٹھاک ہے۔"

"لیکن اس کے چہرے پر موت کی زردی ضرور چھائی ہوئی ہے۔" محمود نے اعتراض کیا۔

"یہ زردی کسی بیماری کی وجہ سے بھی ہو سکتی ہے۔ ابا جان گھر پہنچنے والے ہوں گے، ہم آج لیٹ ہو چکے ہیں، اب چل پڑنا چاہیے۔"

فرزانہ ان دنوں ویسے ہی ہمارے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑی ہوئی ہے۔"
فاروق نے جلدی جلدی کہا۔

"ہوں، تم ٹھیک ہی کہتے ہو۔ آؤ پھر گھر چلیں۔"

وہ گھر کے سامنے پہنچے تو پانچ بج کر پندرہ منٹ ہو چکے تھے۔ دروازہ ان کے لیے فرزانہ نے کھولا اور اندر کی طرف منہ کرتے ہوئے بولی:

"لیجیے ابا جان، یہ آگئے اور اب کوئی پراسرار کہانی سنا کر لیٹ آنے کی وجہ بتائیں گے۔" اس کا لہجہ مذاق اڑانے والا تھا۔

"پراسرار کہانی تو ہم واقعی سنائیں گے۔ فرزانہ، تم نجومی تو نہیں ہو۔" محمود نے خوش گوار انداز میں کہا۔

"مجھے مکھن نہ لگاؤ۔ چل کر ابا جان کو جواب دو۔" اس نے جھنجلا کر کہا۔

"اوہو، یہ آج انگارے کیوں چبائے جا رہے ہیں۔ کھانے کو کچھ نہیں ملا کیا۔" فاروق بول اٹھا۔

"انگارے چباتی ہے....." فرزانہ کا جملہ درمیان میں ہی رہ گیا۔ کیونکہ فاروق نے ایک دم بلند آواز میں کہا تھا۔

"تمہاری جوتی، ہاں ہم جانتے ہیں۔ اس قسم کے ہر کام کرنے کی ماہر تمہاری جوتی ہے۔"

وہ صحن میں آئے اور چونک اٹھے۔ اندر خان رحمان بیٹھے تھے، لیکن آج ان کے چہرے پر انہیں وہ زندہ دلی کہیں دکھائی نہ دی، جو ہر وقت کھیلتی رہتی تھی۔

"السلام علیکم انکل، خیر تو ہے۔ آپ بہت پریشان نظر آ رہے ہیں۔" محمود نے جلدی سے کہا، پھر آگے بڑھ کر انہوں نے ان سے ہاتھ ملائے۔

"ہاں، میں بہت پریشان ہوں۔ ابھی ابھی آیا ہوں۔ ہم روانہ ہونے ہی والے تھے۔ اگر تم دو منٹ تک اور نہ آتے تو تمہیں یہاں نہ ملتے۔ خیر، اب تم آگئے ہو تو تم بھی ساتھ ہی چلو، کیوں جمشید؟"

"ہاں، لیکن محمود، فاروق، تمہیں یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ میں تم سے لیٹ پہنچنے کی بابت سوال نہیں کروں گا۔ یہ سوال میں واپسی پر یا جیپ میں جاتے وقت کر سکتا ہوں۔" انسپکٹر جمشید کی آواز سرد تھی۔

"مطلب یہ کہ تم جواب سوچ کر تیار رکھو۔" فرزانہ شوخ انداز میں مسکرائی۔

اور انہیں وفات خان یاد آگیا۔ وہ پریشان ہوگئے۔ انہوں نے سوچا تھا کہ گھر پہنچنے پر جب ان سے لیٹ آنے کی وجہ پوچھی جائے گی تو وہ وفات خان کی آمد کے بارے میں بتادیں

گے، لیکن یہاں خان رحمان موجود تھے اور انہیں کہیں لے جانے
کے لیے تیار۔ لہذا ایسے میں وہ انہیں کیا بتاتے! تاہم انہوں
نے سوچا کہ راستے میں بتادیں گے۔

آخر وہ روانہ ہوئے۔ جیپ لے جانے کی ضرورت پیش
نہیں آئی۔ خان رحمان اپنی کار لائے تھے۔ ڈرائیونگ سیٹ بھی
انھوں نے ہی سنبھالی تھی۔

"ہاں بھئی، میرا خیال ہے، تم وجہ بتانے کے لیے خود کو
پوری طرح تیار کر چکے ہو گے۔"

"جی ہاں' ابا جان" محمود نے کہا اور پھر پارک میں
وفات خان کے آنے کے بارے میں پوری تفصیل دہرا دی۔
فرزانہ اور خان رحمان بھی اس کہانی کو حیرت بھرے انداز میں
سنتے رہے تھے۔ محمود کے خاموش ہوتے ہی فرزانہ نے کہا:

"تو اس نے تم سے یہ پوچھا تھا کہ تم محمود اور فاروق
ہی ہو نا"

"ہاں" محمود کے منہ سے نکلا۔

"اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ وہ ہمارے بارے میں بہت
کچھ جانتا ہے۔ اس لیے وہ نیشنل پارک میں تمہارے پاس آیا
تھا، لیکن تم پارک سے یہاں چلے آئے۔ تم نے بہت بڑی غلطی
کی۔ تمہیں تو اس کے پیچھے جانا چاہیے تھا۔"

"اس صورت میں تم اور بھی لال پیلی ہوتیں" فاروق بولا۔

"ابا جان، آپ نے کوئی رائے نہیں دی" محمود پریشان
ہو کر بولا۔

"اس وقت تقریباً ساڑھے پانچ بجے ہیں۔ ہم خان رحمان
کے دوست کے گھر سے فارغ ہو کر چھ بجے سے پہلے اس کے
گھر پہنچ سکتے ہیں" وہ بولے۔

"تب تو ٹھیک ہے، لیکن ابا جان' معاملہ ہماری سمجھ میں
نہیں آیا" محمود بولا۔

"ہوں، اور تم نے یہ نہیں پوچھا کہ ہم خان رحمان کے دوست
کے گھر کیوں جا رہے ہیں۔"

"دراصل ہم وفات خان کے خیال میں الجھے ہوئے تھے۔ ہاں
تو بتائیے، ادھر کیا معاملہ ہے؟"

"تمہارے انکل کے ایک دوست خاور صحرائی کسی عجیب
مصیبت میں گرفتار ہو گئے ہیں۔"

"کیا مطلب؟" محمود کے منہ سے نکلا۔

"ان کے گھر والوں نے خان رحمان کو فون کیا تھا۔ خان رحمان
[illegible] ادھر دوڑے آئے۔ ان کے دوست اس وقت تک گھر
[illegible] آدمیوں کو زخمی کر چکے ہیں۔"

"اس کا مطلب؟" فاروق کے منہ سے نکلا۔

"تم دونوں کو کیا مطلب کے سوا کوئی لفظ منہ سے نکالنا نہیں آیا۔" فرزانہ بڑبڑائی۔

"شاید آج کا دن، کیا مطلب کا دن ہے۔" فاروق نے بے چارگی کے انداز میں کہا، کیونکہ پارک میں بھی انہیں کئی بار کیا مطلب کہنا پڑا تھا۔

"گھر کے افراد نے مل کر انہیں ایک کمرے میں بند کر دیا ہے اور وہ دروازے سے سر ٹکرا رہا ہے۔ دروازہ کافی مضبوط ہے اور کھڑکیاں بھی سلاخوں والی ہیں؛ ورنہ شاید وہ انہیں توڑ کر باہر نکل آتا۔ گھر کے سب افراد خوف زدہ ہیں۔"

"لیکن اس سلسلے میں آپ کیا کر سکیں گے۔ یہ تو معاملہ کسی ڈاکٹر کے بس کا ہے۔" محمود نے حیران ہو کر کہا۔

"ڈاکٹر انصاری کو بھی فون کر دیا گیا ہے، وہ بھی روانہ ہو چکے ہوں گے۔" انسپکٹر جمشید کی آواز فکر میں ڈوبی ہوئی تھی۔

آخر ایک عالی شان کوٹھی کے سامنے خان رحمان نے کار روک دی۔ کوٹھی کا پھاٹک کھلا ہی ملا تھا۔ وہ اندر داخل ہوئے تو گھر کے افراد دوڑ کر ان کی طرف آئے اور انہیں دیکھ کر وہ دھک سے رہ گئے۔ کوٹھی کے اندر کہیں سے دھما چوکڑی کی آوازیں آ رہی تھیں۔

کسی کے سر سے خون بہہ رہا تھا تو کسی کی ناک اور منہ سے۔

کسی کا بازو زخمی تھا تو کسی کی ٹانگیں۔ غرض وہ سبھی کسی نہ کسی حد تک زخمی تھے۔ لیکن زخموں کی تکلیف سے زیادہ ان کے چہروں پر پریشانی کے بادل تیر رہے تھے۔

"اف خدایا، یہ کیا ہوا بھابی۔" خان رحمان ادھیڑ عمر کی ایک عورت کی طرف بڑھتے ہوئے بولے۔

"کچھ سمجھ میں نہیں آیا، کیا معاملہ ہے۔ آج سے پہلے ان کی یہ حالت کبھی نہیں دیکھی گئی۔ کچھ دنوں سے حالت عجیب و غریب تو ضرور تھی، بات بے بات چیخ پڑتے تھے، ہر ایک کو کاٹ کھانے کو دوڑ پڑتے تھے، لیکن اس طرح گھر کے افراد پر حملہ آور کبھی نہیں ہوئے تھے۔ آج دفتر سے آتے تو موڈ بالکل خراب تھا۔ کھانا بھی نہیں کھایا۔ بس میز پر بیٹھے خلا میں گھورتے رہے، پھر ایک ٹرے اٹھا کر میرے منہ پر دے ماری۔ اس کے بعد تو سب گھر والوں کی جیسے شامت آ گئی۔ ان کے حملوں سے خود کو بچانا سب کے لیے مشکل ہو رہا تھا اور آخر سب مل کر ان پر ٹوٹ پڑے اور انہیں کسی نہ کسی طرح ایک کمرے میں دھکیل کر دروازہ بند کر دیا۔ اس کے بعد سے اب تک مسلسل دروازہ پیٹ رہے ہیں، سب کو گالیاں دے رہے ہیں اور ایک ہی جملہ کہہ رہے ہیں۔

'بدبختو، مجھے مار ڈالو۔ جلدی سے مجھے ہلاک کر دو۔ نہیں تو

میں تمہیں کچا چبا جاؤں گا۔"

"آئیے دیکھتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

وہ اندر کی طرف بڑھے ہی تھے کہ پیچھے سے آواز آئی:

"ٹھہریے بھتیجی، میں بھی آگیا ہوں۔" انہوں نے دیکھا، ڈاکٹر انصاری چلے آرہے تھے۔

عین اسی وقت دھاچوکڑی کی آوازیں رک گئیں۔ گھر کے اندر یکایک سکون پیدا ہوگیا۔ خاور صحرائی کے بیوی بچوں اور دوسرے افراد نے ایک دوسرے کی طرف حیران ہوکر دیکھا۔

"شش، شاید ان کا دورہ ختم ہوگیا۔" بیگم خاور نے سکھ کا سانس لیتے ہوئے کہا: "ڈاکٹر صاحب آپ کا قدم بہت بابرکت ثابت ہوا۔"

"خدا کا شکر ہے۔ آئیے، اندر چل کر دیکھیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔ خان رحمان، ڈاکٹر انصاری کو تفصیل سنانے لگے۔

"میرا خیال ہے، مجھے اپنے ایک اسسٹنٹ کو بھی بلا لینا چاہیے، کیونکہ سب لوگوں کی مرہم پٹی کرنے میں کافی وقت لگ جائے گا۔"

"ضرور بلائیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

وہ بیگم خاور کے پیچھے چلتے ہوئے ایک کمرے تک پہنچے جس میں خاور صحرائی کو بند کیا گیا تھا۔ انسپکٹر جمشید نے خان رحمان

کو اشارہ کیا۔ وہ آگے بڑھے اور بولے:

"ہیلو خاور، میں تمہارا دوست خان رحمان کمرے کے دروازے پر موجود ہوں۔۔۔ دروازہ کھول رہا ہوں۔۔۔ تم ٹھیک تو ہو نا، میں تمہاری خیریت معلوم کرنے آیا ہوں۔"

یہ کہتے ہوئے انہوں نے چٹخنی کی طرف ہاتھ بڑھایا، انسپکٹر جمشید نے سب کو پیچھے ہٹنے کا اشارہ کیا اور خود خاور صحرائی کو قابو میں کرنے کے لیے تیار ہوگئے۔۔۔ انہیں تیار پاکر خان رحمان نے چٹخنی گرادی اور دروازہ اندر کی طرف دھکیلا، لیکن ان کے ہاتھ دروازے پر ہی جمے رہ گئے۔

دروازہ تو اندر سے بند تھا۔

خاور صحرائی

"دروازہ تو اندر سے بند ہے" خان رحمان بولے۔

"بند ہے تو اپنے دوست کو آواز دیں۔ ویسے میرا خیال ہے کہ ان پر بے ہوشی طاری ہوگئی ہے" انسپکٹر جمشید بولے۔

"خاور، دروازہ کھولو۔ دیکھو، میں آیا ہوں تمہارا دوست، اور بھی کئی مہمان آئے ہیں تمہارے ہاں ۔۔۔ اور تم ہو کہ کمرے میں بند ہو کر بیٹھ گئے ہو۔ بھئی یہ میزبانی کا کونسا طریقہ ہے" خان رحمان کہتے چلے گئے، لیکن اندر کسی حرکت کے آثار دکھائی نہ دیے۔

"خان رحمان، میرا خیال ہے، دروازہ توڑنا پڑے گا" انسپکٹر جمشید بولے۔

"کیا خیال ہے بھابی، دروازہ توڑ دیا جائے"

"جو جی میں آئے کیجیے۔ دروازہ ان کی زندگی سے اچھا تو نہیں" بیگم خاور نے روتے ہوئے کہا ۔۔۔ ان کے ساتھ ان کے

بچے بھی رونے لگے۔ یہ تین لڑکیاں اور دو لڑکے تھے۔

انسپکٹر جمشید نے دروازے کو کندھے سے ایک زوردار ٹکر ماری، لیکن اس کا کچھ بھی نہ بگڑا، کافی مضبوط تھا۔

"آؤ خان رحمان، میں اور تم مل کر ٹکر ماریں ۔۔۔ محمود، فاروق اور فرزانہ تم اس کمرے کی کھڑکیوں کا جائزہ لو۔ دیکھو کوئی کھڑکی کھلی تو نہیں ہے۔ اس سے ہمیں اندر کا حال جاننے میں مدد ملے گی"

"جی بہتر" انہوں نے کہا اور دیوار کے ساتھ چلتے باہر نکل گئے، کیونکہ کمرے کی کھڑکیاں باہر کھلتی تھیں۔ ادھر خان رحمان انسپکٹر جمشید کے ساتھ مل کر ٹکریں مارنے لگے۔

"لو بھئی، ہم تو ادھر الجھ گئے ۔۔۔ چھ بجنے میں صرف چند منٹ باقی ہیں" فاروق نے پریشان ہو کر کہا۔

"تو پھر کیوں نہ ہم ابا جان سے اجازت لے کر ادھر روانہ ہو جائیں" محمود بولا۔

"کم از کم میں ابا جان کے ساتھ رہوں گی" فرزانہ نے گویا اعلان کیا۔

"بڑی خوشی سے، ہمیں تمہاری ضرورت بھی نہیں" محمود نے منہ بنایا۔

انہوں نے کمرے کی دونوں کھڑکیوں کا جائزہ لیا۔ دونوں اندر

سے بند تھیں۔ آخر وہ واپس پلٹے اور اندر پہنچے ۔ یہاں ٹکریں مارنے کا عمل ابھی تک جاری تھا ۔

"ابا جان، کھڑکیاں بھی اندر سے بند ہیں "

" ہوں خیر، کوئی بات نہیں۔ اب ہمیں کسی نہ کسی طرح دروازہ توڑنا ہی پڑے گا " وہ بولے ۔

" اور ادھر چھ بجنے والے ہیں ۔ محمود نے گویا انہیں یاد دلایا ۔

"چھ بجنے والے ہیں " وہ بے خیالی کے انداز میں بولے، پھر جیسے انہیں اچانک یاد آگیا ۔ انہوں نے فوراً کہا :

" اوہ ہاں ، تم دفات خان کی طرف روانہ ہو جاؤ "

" ابا جان، میں یہیں ٹھہروں گی "

"اچھی بات ہے، جیسے تمہاری مرضی " انہوں نے کہا ۔

محمود اور فاروق جانے کے لیے مڑے ہی تھے کہ انہوں نے دروازہ چرچرانے کی آواز سنی ۔ وہ ٹھٹک کر رک گئے ۔

دروازہ کوئی دم میں ٹوٹنے والا ہے ۔کیوں نہ دیکھتے چلیں، اندر کیا معاملہ ہے " فاروق نے دبی آواز میں کہا ۔

" اندر جو کچھ معاملہ ہے، اس کے بارے میں تو ہمیں بعد میں بھی معلوم ہو جائے گا ، لیکن وفات خان اگر چھ بجے ہمیں مردہ ملا تو ہمیں بہت افسوس ہوگا "

" ہاں، بات تو ٹھیک ہے، تو پھر آؤ "

دونوں تیزی سے باہر نکلے ۔ چونکہ خان رحمان کی کار میں یہاں تک آئے تھے، اس لیے اب انہیں ایک رکشا پکڑنا پڑا ۔

" دیکھو بھئی ، دلوان آباد چلنا ہے، لیکن ہمیں ذرا جلدی ہے، کیونکہ ایک شخص سخت بیمار ہے " محمود نے بیٹھتے ہوئے کہا ۔

"بہتر، ابھی پہنچائے دیتا ہوں " ڈرائیور نے رکشا آگے بڑھاتے ہوئے کہا ۔

" ہم کتنی دیر میں وہاں پہنچ جائیں گے "

"صرف پندرہ منٹ میں " اس نے کہا ۔

"کیا آپ ہمیں بارہ منٹ میں وہاں نہیں پہنچا سکتے "

" میں کوشش کروں گا " یہ کہہ کر اس نے رفتار بڑھا دی ۔ اور پھر اس نے ٹھیک پانچ بج کر اٹھاون منٹ پر رکشا تیسری گلی کے آخری مکان کے سامنے روک دیا ۔ انہوں نے دیکھا دروازے پر دو لمبے چوڑے آدمی کھڑے تھے ۔ ان میں سے ایک مسلسل دروازہ پیٹے جا رہا تھا ۔

○

تقریباً بیس منٹ کی مسلسل کوشش کے بعد کہیں جا کر دروازہ

دوسری طرف گرا اور وہ اندر داخل ہوئے، لیکن دروازے میں ہی رک گئے ــ اندر کا منظر حد درجے خوف ناک تھا۔ فرش پر کئی گز تک خون ہی خون پھیلا تھا اور اپنے ہی خون میں لت پت خاور صحرائی فرش کے بیچوں بیچ پڑا تھا۔ اس کی کلائی زخمی تھی، لیکن اب خون بہنا بند ہو چکا تھا۔ خون میں ایک جگہ ایک بلیڈ بھی پڑا نظر آیا۔ کمرے میں کئی دل دوز چیخیں گونج اٹھیں ــ

"اف خدایا، انھوں نے اپنی کلائی کی رگ کاٹ کر اپنا خاتمہ کر لیا۔" ڈاکٹر انصاری بولے۔

"نہیں۔" خاور صحرائی کے گھر والے چیخ پڑے۔

ڈاکٹر انصاری کو خون آلود فرش پر ہی چل کر لاش تک جانا پڑا ــ کیونکہ لاش کے چاروں طرف خون پھیلا ہوا تھا۔ انھوں نے اس کی نبض دیکھی اور پھر نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولے۔

"اگر دروازہ اندر سے بند نہ ہوتا تو ہم فوری طور پر ان تک پہنچ جاتے تو پھر ضرور کچھ کیا جا سکتا تھا۔"

انسپکٹر جمشید نے پورے کمرے پر ایک نظر ڈالی اور ان سب سے بولے ــ

"آپ لوگ دروازے سے اندر نہیں جائیں گے۔ اگرچہ یہ سو فی صد خودکشی کا کیس نظر آتا ہے، لیکن اس کے باوجود

ہر ممکن تفتیش کی جائے گی ــ اور یہ معلوم کرنے کی کوشش کی جائے گی کہ انھوں نے آخر گھر والوں پر حملہ کیوں کیا تھا۔ پھر جب انھیں پکڑ کر کمرے میں بند کر دیا گیا تو پھر انھوں نے بلیڈ سے اپنی کلائی کی رگ کیوں کاٹ دی۔ کلائی کی رگ ہمیشہ وہی لوگ کاٹا کرتے ہیں جو خودکشی کرنے پر تلے ہوتے ہیں۔ اس طرح کلائی سے سارا خون تیزی سے باہر نکل جاتا ہے اور آدمی مر جاتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیوں، انھوں نے یہ سب کچھ کیوں کیا ــ ہم اس سوال کا جواب تلاش کرنے کی پوری کوشش کریں گے ــ فرزانہ تم اکرام کو فون کر کے صورت حال [illegible] تاکہ وہ ضروری عملے کے ساتھ یہاں آجائے۔"

"جی بہتر۔" فرزانہ نے کہا اور باہر نکل گئی ــ اب انھوں نے کمرے کا باقاعدہ معائنہ کیا ــ

"کمرہ ہے کن کا۔" انھوں نے پوچھا ــ

"انہی کا۔" بیگم خاور نے روتے ہوئے جواب دیا۔

کمرے کی ہر چیز بے ترتیب تھی۔ انھوں نے میزوں اور الماریوں وغیرہ کی تلاشی شروع کر دی۔ میز کی ایک دراز سے انھیں انجکشن لگانے والی ایک سرنج اور کچھ سوئیاں ملیں۔ الماری میں سے چیک بکیں وغیرہ بھی نکلیں۔ انھوں نے یہ سب چیزیں اپنے قبضے میں کر لیں اور پھر گھر والوں کی طرف

مٹے۔

"گھر میں انجکشن کون لگواتا ہے؟"

"جی کوئی بھی نہیں۔" خاور صحرائی کی بیٹی نے حیران ہو کر کہا۔

"تب پھر سرنج کا یہاں کیا کام۔ کیا آپ کے والد بیمار تھے۔"

"جی نہیں، اگر کبھی بیمار ہو جاتے تھے تو ڈاکٹر کو بلاتے تھے۔" اس نے بتایا۔

انہوں نے پورے کمرے کی تلاشی لی، لیکن اور کوئی کام کی چیز نہیں ملی۔ اسی وقت فرزانہ نے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا:

"انکل اکرام آ رہے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔" یہ کہہ کر وہ باہر نکل آئے اور گھر کے افراد کو وہاں سے ہٹا دیا۔ پھر وہ فون کے پاس آئے اور مختلف بنکوں کے مینیجروں کو فون کرنے لگے۔ یہ فون وہ ان چیک بکوں کے مطابق کر رہے تھے جو انہیں الماری سے ملی تھیں۔ جوں ہی پہلے مینیجر سے رابطہ قائم ہوا۔ انہوں نے اپنا تعارف کرانے کے بعد کہا۔

"مسٹر خاور صحرائی کا آپ کے بنک میں اکاؤنٹ ہے، میں

یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ ان کی بنک میں کتنی رقم موجود ہے۔"

"جی۔" دوسری طرف سے حیرت زدہ آواز میں کہا گیا۔

"کیا بات ہے، آپ کو میرے سوال پر حیرت کیوں ہوئی؟" انہوں نے بھی حیران ہو کر کہا۔

"بنک میں ان کا بہت پرانا اکاؤنٹ تھا۔ ان کے اکاؤنٹ میں ہمیشہ لاکھوں روپے رہتے تھے، لیکن پچھلے کچھ دنوں سے یہ تمام روپے بڑے بڑے چیکوں کے ذریعے نکلوا لیے گئے۔ یہاں تک کہ اکاؤنٹ میں بہت تھوڑے پیسے رہ گئے اور اس کے بعد صحرائی صاحب نے بنک سے قرضہ بھی لیا۔ یہ قرضہ انہوں نے اپنے مل کے کاغذات رکھ کر لیا ہے۔"

"اوہ۔" انسپکٹر جمشید دھک سے رہ گئے۔ انہوں نے بوکھلا کر پوچھا۔

"کتنا قرضہ لیا انہوں نے؟"

"دس لاکھ روپے۔"

"شش، شکریہ۔ میں شاید خود آ کر بات کروں گا۔" یہ کہہ کر انہوں نے ریسیور رکھ دیا اور دوسرے بنک کے مینیجر کو فون کیا۔ وہاں سے بھی کچھ ایسی ہی تفصیل معلوم ہوئی۔ اس بنک سے بھی تمام رقم نکالے جانے کے بعد قرضہ لیا گیا

تھا اور یہاں انہوں نے اپنی کوٹھی کے کاغذات رکھے تھے۔ تیسرے
بنک میں انہوں نے گھر کے زیورات رکھ کر قرضہ لیا تھا۔

انسپکٹر جمشید سر پکڑ کر بیٹھ گئے ۔۔ ایک تو اسی گھر پر
موت کا غم طاری تھا، اس پر وہ انہیں یہ کس طرح بتا دیتے
کہ وہ بالکل بھوکے ننگے ہو چکے تھے۔

"خان رحمان، تمہارے دوست کیا کاروبار کرتے تھے؟"

"ان کی چمڑا رنگنے کی ایک مل ہے، بہت اچھا کاروبار
ہے۔ کیوں کیا بات ہے ؟"

"تمہارے دوست اس وقت اس مل، کوٹھی اور زیورات
کو گروی رکھ کر تقریباً تیس لاکھ روپے کا قرض بنکوں سے
لے چکے ہیں۔"

"نہیں ۔" خان رحمان تقریباً چلا کر بولے۔ گھر والوں کے
چہرے سفید پڑ گئے۔

"ہاں، اور ابھی تو اور بھی بہت سی تفصیلات معلوم
ہوں گی ۔" انہوں نے فکرمندانہ لہجے میں کہا۔

"حیرت ہے، صحرائی کو اتنے پیسوں کی کیا ضرورت پڑ گئی۔"
خان رحمان بڑبڑائے۔

"قرض لینے سے پہلے وہ بنکوں میں موجود اپنا سرمایہ پہلے
ہی نکلوا چکے ہیں، گویا اس رقم کا بھی کوئی پتا نہیں کہ کہاں

گئی۔"

"جوا ۔" فرزانہ کے منہ سے نکلا۔

"کیا مطلب ؟" خان رحمان بولے۔

"وہ ضرور جوا کھیلتے ہوں گے۔ ایسا انجام ہمیشہ جواریوں
کا ہوتا ہے۔" فرزانہ نے کہا۔

"شاید تم ٹھیک کہتی ہو ۔۔ خیر، دیکھتے ہیں، کیا چکر ہے۔"
یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید گھر والوں کی طرف مڑے۔

"ان کے دوستوں کے نام پتے اگر آپ بتا سکیں اور یہ
بھی کہ یہ کسی ہوٹل یا کلب میں جانے کے عادی تھے۔"

"یہ کسی کلب میں نہیں جاتے تھے ؛ البتہ ہوٹل گلنار میں
بلا ناغہ جاتے تھے۔" ان کی بیگم نے بتایا۔

انہوں نے ہوٹل گلنار کا نام اپنی نوٹ بک میں درج کر
لیا۔ عین اسی وقت دروازے کی گھنٹی بجی۔ گھر کا ملازم اٹھا
اور دروازہ کھولنے چلا گیا۔

"فرزانہ، تم بھی اس کے ساتھ جاؤ ۔۔ دیکھو کون آیا ہے؟
یہ اکرام تو نہیں ہو سکتا۔"

فرزانہ تیز تیز قدم اٹھاتی ملازم کے پیچھے چلی گئی ۔۔ ملازم
نے دروازہ کھولا تو اس نے دو آدمیوں کو دروازے پر کھڑے دیکھا،
دونوں کے چہرے غیر شریفانہ تھے۔

"ہمیں مسٹر خاور صحرائی سے ملنا ہے۔"

"وہ۔۔۔ وہ تو۔۔۔" ملازم نے کہنا چاہا، لیکن فرزانہ نے بات کاٹ دی۔

"جی وہ سو رہے ہیں۔ آپ اندر تشریف لے آئیے۔ ہم انہیں ابھی جگا دیتے ہیں۔"

"سو رہے ہیں؟" ان میں سے ایک نے حیرت زدہ انداز میں کہا۔

"ہاں کیوں، اس میں حیران ہونے کی کیا بات ہے۔" فرزانہ نے بھی حیران ہو کر پوچھا۔

"جن سے ہم ملاقات کا وقت لے لیں، وہ سو نہیں سکتے۔ ان کی تو راتوں کی نیند اڑ جاتی ہے اور تم کہہ رہی ہو کہ وہ سو رہے ہیں۔" اس نے کہا۔

"اوہو، اچھا، اندر تشریف لے چلیے۔ ان کے سر میں درد تھا۔ شاید آنکھیں بند کر کے لیٹ گئے ہوں گے۔"

"ہاں، یہ بات ٹھیک معلوم ہوتی ہے۔" دوسرا خوش ہو کر بولا۔

دونوں اندر داخل ہوئے۔ فرزانہ نے ملازم سے کہا۔

"بابا، انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھاؤ، میں صحرائی صاحب کو جگاتی ہوں۔"

"اچھا، اچھا۔" اس نے حیران ہو کر کہا۔

جوں ہی وہ انہیں ڈرائنگ روم کی طرف لے گیا، فرزانہ لپک کر اپنے والد کے پاس پہنچی اور دبے لفظوں میں انہیں دونوں آنے والے ملاقاتیوں کے بارے میں بتا دیا۔ یہ بھی کہ ان کا دعویٰ کیا ہے۔

"تم نے اچھا کیا فرزانہ، جو انہیں اندر لے آئیں۔ آؤ رحمان، ذرا دیکھیں، وہ کون ہیں۔"

اور وہ ڈرائنگ روم کی طرف چل پڑے۔ اسی وقت دروازے کی گھنٹی ایک بار پھر بجی۔ انداز اکرام کا تھا۔

"فرزانہ، تم انہیں بھی اندر لے آؤ۔ اکرام کو ڈرائنگ روم میں لے آنا۔ باقی لوگ کمرہ واردات میں اپنا کام مکمل کریں گے۔"

"جی بہتر۔"

انسپکٹر جمشید ڈرائنگ روم میں قدم رکھتے ہی چونک اٹھے۔۔۔

دوسری عدالت

محمود اور فاروق ان کے نزدیک پہنچے۔ اس وقت محمود کی نظر اپنی گھڑی پر پڑی ۔ چھ بجنے میں ایک منٹ باقی تھا۔ اب وہ ان دونوں سے مخاطب ہوا ۔

"کیا معاملہ ہے جناب ؟"

"یہ ہمارے دوست وفات خان کا گھر ہے۔ ہم اس سے ملنے آئے تھے۔ نہ جانے کیا بات ہے۔ وہ دروازہ ہی نہیں کھول رہا ہے۔"

"وفات خان تمہارا دوست ہے۔" محمود نے حیران ہو کر کہا۔ کیونکہ دونوں بالکل غیر شریف نظر آ رہے تھے۔ ان کے چہروں سے بدمعاشی صاف ٹپک رہی تھی جب کہ انہیں وفات خان کے چہرے پر معصومیت اور بھولپن نظر آیا تھا۔ ایک شریف آدمی بدمعاشوں کو دوست نہیں بنایا کرتا۔

"ہاں۔" ان میں سے ایک نے کہا۔

"تمہیں کتنی دیر ہو گئی دروازہ پیٹتے۔"

"پندرہ منٹ تو ہو ہی گئے ہیں۔"

"تو پھر دروازہ توڑ دو، دیر نہ کرو، اندر ضرور کوئی گڑبڑ ہے۔" محمود نے جلدی سے کہا۔ وفات خان کے الفاظ دونوں کے ذہنوں میں گونجنے لگے۔

"یہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔ ہمیں دروازہ ہی توڑنا پڑے گا۔"

"لیکن اس طرح تو لوگ جمع ہو جائیں گے۔ دوسرے نے کہا۔

"ہوتے ہیں تو ہو جائیں۔" یہ کہہ کر وہ ٹکر مارنے کے لیے تیار ہو گیا۔ دوسرے نے بھی اس کا ساتھ دیا۔ محمود اور فاروق پیچھے ہٹ گئے۔ ٹکروں کی آواز سن کر آس پاس کے لوگ وہاں جمع ہو گئے۔

"کیا بات ہے؟ یہ کیا ہو رہا ہے؟" کئی آوازیں ابھریں۔

"وفات خان کو نہ جانے کیا ہو گیا ہے۔ دروازہ ہی نہیں کھول رہا ہے۔" ان میں سے ایک نے کہا۔

"ہو سکتا ہے، وہ سو رہا ہو۔ اس کی نیند بہت گہری ہے لہٰذا تمہیں دروازہ نہیں توڑنا چاہیے۔"

"لیکن ہم پندرہ منٹ سے دروازہ کھٹکھٹا رہے ہیں۔

"اوہو اچھا، پھر تو توڑنا ہی مناسب رہے گا۔" ایک پڑوسی نے کہا۔

آخر خدا خدا کر کے دروازہ ٹوٹا اور سب لوگ اندر داخل ہوئے۔ گھر کا صحن سنسان پڑا تھا۔ ایک کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور اس کمرے میں پلنگ پر وفات خان اس طرح لیٹا تھا، جیسے گہری نیند سو رہا ہو، لیکن محمود اور فاروق نے پہلی ہی نظر میں جان لیا کہ وفات خان نے پارک میں ان سے جو کچھ کہا تھا، غلط نہیں تھا۔ وفات خان کی واقعی وفات واقع ہو گئی تھی۔

"محمود، جا کر ابا جان کو فون کرو کہ ادھر سے سیدھے ادھر ہی آ جائیں اور انکل اکرام کو اور دوسرے عملے کو بھی ادھر ہی لے آئیں۔" فاروق نے اس کے کان میں کہا۔

"تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ وہاں اکرام اور دوسرا عملہ بھی بلایا گیا ہے۔"

"میرا اندازہ کہتا ہے، کیونکہ ایک ہی وقت میں دو واقعات بالکل ایک جیسے ہوتے ہیں۔ اگر یہاں وفات خان مردہ ملا ہے۔ تو ادھر خاور صحرائی بھی مردہ ملے ہوں گے۔"

"سوال یہ ہے کہ ایسا ہوا کیوں، یہ چکر کیا ہے۔" محمود نے بھی سرگوشی کی۔

"چکر بہت گہرا ہے۔" یہ کہہ کر فاروق آگے بڑھا اور ڈرامائی انداز میں کہنے لگا:

"میرا خیال ہے، وفات خان مر چکا ہے۔ ہمیں پولیس کو فون کرنا چاہیے۔ جاؤ محمود جلدی فون کرو۔"

"مر چکا ہے۔" ایک بدمعاش کے منہ سے نکلا، پھر وہ دونوں تیزی سے آگے بڑھے۔ انہوں نے وفات خان کی نبض چھو کر دیکھی۔ دل کی حرکت دیکھی اور آنکھوں کے پپوٹے الٹ کر دیکھے اور پھر مایوسانہ انداز میں ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

"اب ہم استاد کو کیا جواب دیں گے۔" ایک بدمعاش نے دبی آواز میں کہا۔

"شش۔" دوسرے نے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ لیکن محمود اور فاروق نے یہ جملہ سن لیا تھا۔ محمود فاروق کو فوراً بازو سے پکڑ کر باہر گھسیٹ لے گیا اور بولا:

"سنو، میں فون کرنے جا رہا ہوں۔ اس دوران اگر یہ دونوں جانے کی کوشش کریں تو تم ان کا تعاقب کرو گے۔"

"میری قسمت میں تعاقب کرنے کے سوا رکھا ہی کیا ہے۔ اچھا کر لوں گا۔" اس نے مردہ آواز میں کہا اور محمود مسکراتا ہوا باہر نکل گیا۔

جب وہ فون کر کے واپس لوٹا تو گھر کے اندر پڑوسی ضرور موجود تھے، لیکن ان دونوں بدمعاشوں اور فاروق کا کوئی پتا نہ تھا۔

○

وہ چند سیکنڈ تک اندر موجود دونوں ملاقاتیوں کو گھورتے رہے، پھر اپنے پیچھے قدموں کی آہٹ سن کر مڑے۔ انہوں نے دیکھا، اکرام اور فرزانہ ڈرائنگ روم میں داخل ہو رہے تھے۔ اسی وقت دونوں ملاقاتیوں نے دروازے کی طرف دیکھا اور چونک اٹھے۔

"ہیلو اکرام، تم اندر بیٹھے دونوں شریف آدمیوں کو دیکھ رہے ہو؟"

"جی، جی ہاں۔" اکرام چونکا۔ اس کی نظریں ان دونوں پر جم گئیں، لیکن اس کی آنکھوں میں حیرت کے کوئی آثار نہ دیکھ کر انسپکٹر جمشید مسکرائے اور بولے:

"اوہو، تم نے انہیں نہیں پہچانا۔ یہ اپنے پرانے واقف شیدا اور لاما ہیں۔"

"اوہ۔" اکرام کے منہ سے نکلا۔

"ان کے حلیے کافی تبدیل ہو گئے ہیں، میں انہیں پہچاننے میں غلطی نہیں کر سکتا۔ شاید یہ دو سال پہلے جیل سے رہا ہوئے تھے۔" انہوں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"آپ کا خیال بالکل ٹھیک ہے جناب، ہم دو سال پہلے جیل سے رہا ہوئے تھے اور شریفانہ زندگی گزار رہے ہیں۔" ان میں سے ایک نے کہا۔

"یہ جان کر بہت خوشی ہوئی شیدے۔ انسان کو دراصل شریفانہ زندگی ہی راس آتی ہے، لیکن تم دونوں یہاں کیسے نظر آ رہے ہو بھئی؟"

"اور آپ یہاں کیسے؟" لاما نے پوچھا۔

"یہ میرے دوست کا گھر ہے۔ میرا دوست مجھے یہاں لے آیا ہے۔ تمہیں کس سے ملنا ہے؟"

"خاور صحرائی صاحب سے، ہم نے آپ کو بتایا ہے نا، ہم آج کل شریفانہ زندگی گزار رہے ہیں۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ ہم نے ایک شخص کی ملازمت کر لی ہے۔ وہ لوگوں کو سود پر روپیہ دیتا ہے۔ روپے کی وصولی اس نے ہمارے ذمے لگا رکھی ہے۔ خاور صحرائی صاحب نے بھی اس سے کچھ قرض لے رکھا ہے۔ خاور صحرائی صاحب کو آج تک کی مہلت دی گئی تھی۔ سو ہم قرض وصول کرنے آئے ہیں۔"

"خاور صحرائی اور قرض، بھئی یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ وہ تو اچھے خاصے دولت مند آدمی ہیں۔" انہوں نے انجان بن کر کہا۔

"کبھی ہوں گے۔ آج کل تو قرض کے بوجھ تلے ان کی گردن بُری طرح پھنسی ہوئی ہے۔"

"اچھا، کمال ہے، کتنا قرض لے رکھا ہے انہوں نے؟"

"ہمارے مالک سے دس لاکھ روپے لے رکھے ہیں۔"

یہ سن کر انسپکٹر جمشید کو ایک اور دھکا لگا، پھر انہوں نے چونک کر پوچھا:

"اور تم نے کس شخص کی ملازمت کر رکھی ہے؟"

"استاد بانکے میاں۔ شاید آپ نے ان کا نام سن رکھا ہوگا۔"

"ہاں سُنا ہے، وہ اس شہر کا بہت بڑا رئیس ہے، صرف سود کا کاروبار کرتا ہے۔" وہ بولے۔

"آپ ٹھیک سمجھے۔" شیدے نے خوش ہو کر کہا۔

"تمہارے پاس کیا ثبوت ہے کہ خاور صحرائی صاحب نے استاد بانکے میاں سے دس لاکھ روپے قرض لے رکھے ہیں۔"

"ثبوت استاد اپنے پاس رکھتا ہے، کیونکہ استاد سے ادھار لینے والے انکار نہیں کرتے۔" لاما بولا۔

"تو پھر خاور صحرائی اب اس دنیا میں نہیں رہے۔ انہوں نے خودکشی کر لی ہے۔"

"کیا؟" دونوں چیخ اٹھے۔

"ہاں، ہم یہاں اسی سلسلے میں آئے ہیں۔"

"خیر اس صورت میں بھی استاد نقصان میں نہیں رہیں گے۔ وہ ان کی کوٹھی نیلام کرادیں گے۔"

"لیکن مصیبت یہ ہے کہ کوٹھی کے کاغذات خاور صحرائی ایک بنک کے پاس پہلے ہی گروی رکھ چکے ہیں اور اپنی مل بھی۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ انہوں نے استاد کو جو کاغذ لکھ کر دیا تھا، اس میں یہی لکھا ہے کہ قرض ادا نہ کرنے کی صورت میں استاد ان کی کوٹھی نیلام کرا کے اپنا قرض وصول کر سکتے ہیں۔"

"اب یہ معاملہ تو بنک اور استاد بانکے کا ہے — وہ آپس میں خود فیصلہ کر......"

ابھی وہ جملہ مکمل نہیں کر پائے تھے کہ خان رحمان کی آواز سنائی دی:

"نہیں جمشید، یہ میرے دوست کا بھی معاملہ ہے۔ اس کا سارا قرض میں ادا کردوں گا۔ اس نے خودکشی کرنے میں جلدی

کی۔ کاش، وہ پہلے مجھ سے بات کر لیتا۔ ایک دوست کی
زندگی چالیس پچاس لاکھ روپے سے زیادہ قیمتی ہے۔ بشرطیکہ
اتنی دولت پاس ہو اور خدا کے فضل سے میرے پاس اس
سے کہیں زیادہ ہے۔"

"خان رحمان، تم۔۔ تم اتنی بڑی رقم ادا کرو گے۔" انسپکٹر
جمشید ہکلائے۔

"ہاں، لیکن یہ معلوم کرنا تمہارا کام ہے کہ میرا دوست
اس حال تک کیسے پہنچا۔"

"اس کی تم فکر نہ کرو۔ میں ان لوگوں کو کسی قیمت پر
نہیں چھوڑوں گا، جن کی وجہ سے خاور صحرائی اس حال کو پہنچے۔"
انسپکٹر جمشید بولے۔

"تو کیا استاد بانکے کی رقم آپ ادا کریں گے۔" شیدے
نے حیران ہو کر کہا۔

"ہاں، تم کل اس پتے پر آ جانا۔" یہ کہہ کر خان رحمان
نے اپنا کارڈ اس کی طرف بڑھا دیا۔

کارڈ لے کر دونوں چلے گئے۔ انسپکٹر جمشید فرزانہ کی طرف
گھوم گئے۔ چند سیکنڈ تک اسے تیز نظروں سے گھورتے رہے۔
فرزانہ گھبرا گئی۔

"کیا مجھ سے کوئی غلطی ہو گئی؟"

"نہیں، اس معاملے میں مجھے تمہارا ہی خیال درست
معلوم ہوتا ہے۔"

"جی، کون سا خیال۔" اس نے چونک کر پوچھا۔

"جوئے والا۔ خاور صحرائی ضرور جوئے کا شکار بنے ہیں،
لہٰذا ہمیں ہوٹل گلنار جانا ہوگا۔ خان رحمان کبھی تم نے
جوا کھیلا ہے؟"

"توبہ کرو بھئی۔" خان رحمان گھبرا کر بولے۔

"میرا مطلب ہے، تمہیں جوا کھیلنا آتا تو ہے۔ تاش وغیرہ
کا کھیل تو آتا ہی ہوگا۔"

"فوج میں رہتے ہوئے شغل کے طور پر کبھی کبھار تاش
ضرور کھیل لیا کرتا تھا۔ لیکن پھر اس سے بھی توبہ کر لی
تھی۔"

"لیکن میرا خیال ہے کہ تمہیں گلنار ہوٹل میں جا کر جوا
کھیلنا چاہیے۔"

"کیا مطلب؟"

"تم اپنے دوست کا انتقام لینا چاہتے ہو یا نہیں۔"

"ہاں چاہتا ہوں۔"

"تب پھر تمہیں یہ کام کرنا پڑے گا۔"

"اچھا، اگر تم کہتے ہو تو کھیل لوں گا۔" خان رحمان نے

مردہ دلی سے کہا۔

"اور ہاں، میں گھر کے افراد سے بھی کچھ سوالات کرنے کی ضرورت محسوس کر رہا ہوں۔ ذرا تم بیگم خاور کو یہیں بلا لاؤ۔"

"اچھا۔" انہوں نے کہا اور چلے گئے۔ جلد ہی بیگم خاور کو لیے اندر داخل ہوئے۔ ان کی آنکھیں روتے روتے سرخ ہو چکی تھیں۔

"آپ کے شوہر کچھ عرصے سے بہت پریشان رہتے تھے نا؟"

"جی ہاں، ہم سب نے ان سے پریشانی کی وجہ بار بار پوچھی، لیکن انہوں نے کبھی نہیں بتایا۔"

"وہ ہوٹل گلنار عام طور پر کس وقت جایا کرتے تھے؟"

"رات کو نو بجے کے قریب۔"

"اور ان کی واپسی کتنے بجے ہوتی تھی؟"

"رات کو بارہ اور ایک بجے کے قریب۔"

"کیا وہ روزانہ ہوٹل گلنار جاتے تھے؟"

"تقریباً چھ ماہ سے تو روز ہی جا رہے تھے۔"

"ہوں، آؤ خان رحمان گھر چلیں۔ وہاں ہم ہوٹل گلنار جانے کی تیاری کریں گے۔"

"لیکن اس کے لیے تیاری کی کیا ضرورت ہے۔ یہیں سے ہوٹل چلے چلتے ہیں۔"

"نہیں بھئی، اس کے لیے بہت خاص تیاری کی ضرورت ہو گی۔" انہوں نے پراسرار انداز میں کہا۔

"لیکن ابا جان، محمود اور فاروق دیوان آباد جا چکے ہیں۔"

"وہ بھی گھر پہنچ جائیں گے۔" انہوں نے کہا۔ عین اسی وقت فون کی گھنٹی بجی۔ اکرام نے فون کا ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف سے محمود کی آواز سنائی دی۔ اکرام کی آواز سنتے ہی اس نے کہا:

"انکل، ریسیور ذرا ابا جان کو دے دیں۔ میں انہیں ایک خاص خبر سنانا چاہتا ہوں۔"

"اچھا۔" اکرام نے کہا اور ریسیور انہیں دیتے ہوئے بولا: "محمود بات کرنا چاہتا ہے۔"

"ہیلو محمود، کہو کیا خبر ہے؟"

"وفات خان اپنے گھر میں مردہ پڑا ملا ہے۔ دروازہ توڑنا پڑا ہے، ضروری عملہ اس طرف بھی بھیج دیجیے۔"

"اوہ۔" ان کے منہ سے نکلا۔

ارے یہ تو وہی ہے

سب لوگ وفات خان کی لاش کی طرف متوجہ تھے، لیکن فاروق نے دیکھا کہ وہ دونوں بدمعاش آہستہ آہستہ پیچھے کھسک رہے تھے۔ یہ دیکھ کر اس نے بھی دروازے کی راہ لی اور ان سے پہلے ہی باہر نکل آیا۔ گلی سے نکل کر وہ سڑک پر آ گیا اور ان کے آنے کا انتظار کرنے لگا۔ جلد ہی وہ سڑک پر نظر آئے۔ انہوں نے پاس سے گزرتی ایک ٹیکسی روکی اور اس میں بیٹھ کر روانہ ہو گئے۔ فاروق نے فوراً ہی دوسری ٹیکسی کی تلاش میں نظریں دوڑائیں۔ دور سے ایک ٹیکسی آتی نظر آئی اور اس کے اشارے پر قریب آ کر رک گئی۔ اس وقت تک بدمعاشوں کی ٹیکسی بہت دور جا چکی تھی۔

"ذرا جلدی سے اس ٹیکسی کے پیچھے چلیے۔ میرے ایک پرانے واقف اس میں نکل گئے ہیں۔ میرا ان سے ملنا بہت ضروری ہے۔"

"فکر نہ کریں۔ میں ابھی اسے پکڑ کر دکھا دیتا ہوں۔" ڈرائیور نے پرجوش انداز میں کہا اور ٹیکسی رفتار پکڑنے لگی۔

لیکن ڈرائیور اسے پکڑ نہ سکا؛ البتہ نزدیک ضرور پہنچ گیا۔ اگلی ٹیکسی بھی بہت تیز جا رہی تھی۔ یہ تعاقب تقریباً بیس منٹ جاری رہا۔ آخر اگلی ٹیکسی ایک بہت بڑی حویلی کے سامنے رکی۔

"بس جناب، مجھے بھی یہیں اتار دیجیے۔ اب میں حویلی کے اندر ہی ان سے ملاقات کروں گا۔" فاروق جلدی سے بولا۔

اس کے ڈرائیور نے ٹیکسی روک لی۔ فاروق نے بل ادا کیا حویلی کی طرف چل پڑا۔ اس دوران اگلی ٹیکسی آگے بڑھ چکی تھی اور وہ دونوں حویلی میں داخل ہو چکے تھے۔ فاروق سیدھا دروازے پر پہنچا اور اس پر دباؤ ڈال کر دیکھا۔ وہ تھوڑا سا کھل گیا۔ اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، اندر داخل ہو گیا۔ اس کے سامنے ایک بہت بڑا صحن تھا اور صحن کے چاروں طرف کمرے تھے۔ ان کمروں کے اوپر بھی کمرے تھے۔ حویلی تین منزل تھی۔ گھر کے صحن میں ایک بڑی سی میز بچھی تھی۔ اس کے دوسری طرف ایک بہت بڑے ڈیل ڈول کا آدمی بیٹھا تھا، پورا ریچھ نظر آ رہا تھا۔ اس کے جسم کے کھلے حصوں پر لمبے لمبے

سیاہ گھنے بال تھے۔ جنہوں نے اس کی جلد کو بالکل چھپا دیا تھا۔ میز کے گرد دس بارہ کرسیاں پڑی تھیں اور ان پر بدمعاش نما آدمی بیٹھے تھے۔ انہی میں اسے وہ دونوں بھی نظر آئے۔ کسی کی توجہ دروازے کی طرف نہیں تھی۔ ریچھ نما آدمی کہہ رہا تھا:

"ہاں، جامی، بھورے، تم کیا رپورٹ پیش کر رہے ہو؟"

"وفات خان اپنے گھر میں مردہ ملا ہے استاد۔"

"دھت تیرے کی۔" ریچھ نما آدمی نے کہا۔

اور فاروق حیران رہ گیا۔ اس کا تو خیال تھا کہ یہ الفاظ صرف محمود ہی ادا کرتا ہے۔ اس نے سنا، استاد کہہ رہا تھا:

"ایک ہی دن میں دو آدمیوں کی خودکشی۔ اب پولیس مجھے پریشان کرے گی۔ یہ لوگوں کو ہو کیا گیا ہے۔ قرض ادا کرنے کی نسبت خودکشی کرنا کیوں آسان سمجھنے لگے۔ ہاں کھنڈو، بالے، تم کیا رپورٹ پیش کر رہے ہو، سیٹھ باری کے بارے میں؟"

"ہم ادائیگی لے آئے ہیں جناب، لیکن زیورات کی صورت میں۔" ایک کرسی پر بیٹھے بڑی بڑی مونچھوں والے نے کہا۔

"بہت خوب، یہ ہوئی نا بات، لیکن ادائیگی زیورات کی صورت میں کیوں ہوئی؟"

"جب ہم نے اپنے شکار کی انگلیاں توڑنے کا پروگرام شروع

کیا تو اس کی بیوی اپنے تمام زیورات اٹھا لائی۔"

"ٹھیک ہے، تاج دین سنار کو فون کر دیں۔ آ کر زیور لے جائے گا اور ان کی رقم دے جائے گا۔" یہ کہتے وقت اس نے جو سر اوپر اٹھایا تو نظر فاروق پر پڑی، اس کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"ارے، یہ کون ہے؟"

اس کی آواز پر سب نے دروازے کی طرف دیکھا، اچانک جامی کے منہ سے نکلا:

"ارے، یہ تو وہی ہے۔"

"کون وہی؟" استاد نے منہ بنا کر کہا۔

"یہ اور اس کا ساتھی وفات خان کے گھر کے دروازے پر عین اس وقت پہنچے تھے، جب ہم دروازے پر دستک دے رہے تھے، پھر جب ہم نے دروازہ توڑا تو یہ بھی اندر داخل ہوتے تھے۔ اب یہ یہاں نظر آ رہا ہے، لیکن دوسرا نظر نہیں آ رہا۔" جامی کے لہجے میں حیرت تھی۔

"وہ وہیں رہ گیا ہے وفات خان کے پاس۔" فاروق نے لاپرواہی سے کہا۔

"کون ہو تم؟"

"وفات خان کے دوست۔ ہم دراصل اس سے ملنے گئے

تھے۔"

"پھر تم یہاں کس طرح پہنچ گئے؟"

"یہ معلوم کرنے آیا تھا کہ ان دونوں کا وفات خان سے کیا تعلق ہے — یہ دروازہ کیوں دھڑ دھڑا رہے تھے۔"

"تم نے سن لیا ہوگا کہ ہمیں ان سے اپنا قرض لینا تھا۔ میں سود پر لوگوں کو قرض دیتا ہوں۔"

"ہاں، میں یہ بات سن چکا ہوں — اچھا، اب میں چلتا ہوں۔" یہ کہہ کر فاروق مڑا۔

"ٹھہرو بھئی، ایک منٹ۔" بدمعاشوں میں سے ایک نے کہا، پھر استاد کی طرف مڑا —

"استاد، اس لڑکے کا چہرہ تو کچھ جانا پہچانا سا لگتا ہے۔"

"تو کیا یہ تمہارا رشتے دار ہے؟" استاد جھلا اٹھا۔

"نہیں، لیکن میرا خیال ہے — ہاں، مجھے یاد آ گیا — یہ ضرور انسپکٹر جمشید کا بیٹا ہے۔"

"انسپکٹر جمشید کا بیٹا، یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟" استاد کے منہ سے بوکھلاہٹ زدہ انداز میں نکلا —

"جی ہاں، میری یادداشت دھوکا نہیں کھاتی۔ میں نے اس کی اور اس کے بھائی بہن اور والد کی تصویریں اکثر اخبار میں دیکھی ہیں۔"

"کیوں بھئی، تم انسپکٹر جمشید کے بیٹے ہو؟"

"ہاں، یہ ٹھیک ہے۔" فاروق نے کہا۔

"تم کسی کے بھی بیٹے ہو، ہمیں اس سے کیا — میں کوئی غیر قانونی کام نہیں کرتا۔ سود پر روپیہ قرض دیتا ہوں۔ ملک کے بنک بھی یہ کاروبار کرتے ہیں، پھر میرے لیے بھلا کیونکر یہ ناجائز ہو سکتا ہے۔"

"لیکن دوسروں کی انگلیاں توڑنا ضرور قانون کی خلاف ورزی ہے۔" فاروق مسکرایا۔

"میرے آدمیوں نے ایسا کوئی کام نہیں کیا۔"

"سیٹھ باری پولیس میں رپورٹ درج کرائے گا کہ تمہارے آدمیوں نے اس کی انگلیاں توڑنے کی کوشش کی تھی۔ اگر اس کی بیوی اپنے زیورات ان کے سامنے ڈھیر نہ کر دیتی تو اس بے چارے کی انگلیاں توڑ دی جاتیں۔ یہی سلوک تمہارے آدمی وفات خان سے کرنے والے تھے اور یہی سلوک تمہارے آدمی خاور معراجی سے کرنے والے تھے، لیکن یہ دونوں بہت بزدل نکلے — انہوں نے خودکشی کر لی — یہ چیزیں جب تمہارے خلاف عدالت میں پیش کی جائیں گی تو جج صاحب ہرگز یہ خیال نہیں کریں گے کہ تمہارا کاروبار قانونی ہے۔"

"ارے ارے، یہ تو بہت اونچا اڑ رہا ہے۔ پکڑ لو اسے،

بھاگنے نہ پائے۔"

"مشکل ہے استاد، تمہارے یہ چیلے میری گرد کو بھی نہیں چھو سکیں گے۔ آؤ بھئی پکڑ لو مجھے۔"

یہ کہہ کر وہ تیزی سے مڑا اور حویلی سے باہر نکل آیا۔ اس نے اپنے پیچھے بہت سے دوڑتے قدموں کی آواز سنی تو دوڑ لگا دی۔ جوں ہی وہ سڑک پر پہنچا، اس نے تعاقب میں آنے والوں کو حویلی سے نکلتے دیکھا۔ اب خطرہ سر پر تھا، لہٰذا وہ بھی سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا اور بھاگتے بھاگتے ایک گلی میں مڑ گیا، لیکن پھر چونک اٹھا۔ دوسری طرف سے بدمعاش بھاگے چلے آ رہے تھے۔ اس نے فوراً کنی کترائی اور ایک تیسری گلی میں گھس گیا۔

○

گھر پہنچتے ہی انسپکٹر جمشید انہیں میک اپ روم میں لے گئے اور بولے۔

"پروگرام یہ ہے کہ خان رحمان ایک نواب کے میک اپ میں ہوں گے۔ محمود، فاروق اور فرزانہ شہزادوں کے روپ میں، اور میں نواب صاحب کے سیکرٹری کے روپ میں۔ ہم سٹیشن پر

اتریں گے تو ہوٹل گلنار کا عملہ ہمارے استقبال کے لیے تیار ہوگا۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ ہم تو شہر میں موجود ہیں، پھر ہم گاڑی سے کس طرح اتریں گے؟"

"یہ کوئی مشکل نہیں۔ ہم کار میں ایک نزدیکی سٹیشن تک پہنچ جائیں گے اور آنے والی کسی گاڑی میں سوار ہو جائیں گے اور سٹیشن پر اتر جائیں گے۔" انہوں نے کہا۔

"لیکن ابا جان، ہوٹل گلنار کا عملہ بھلا کیونکر آ جائے گا سٹیشن پر؟" فرزانہ نے الجھ کر کہا۔

"یہ کیا مشکل ہے۔ ہم اس سٹیشن سے ہوٹل گلنار کے مینجر کو فون کریں گے۔ چار کمرے مخصوص کرنے کا آرڈر دیں گے اور نواب صاحب کی آمد کا وقت انہیں بتا دیں گے۔ یہ وقت ہمیں وہاں کا سٹیشن ماسٹر بتائے گا۔" انہوں نے مسکرا کر کہا۔

"یہ تو سب ہوا، لیکن آپ محمود اور فاروق کا کیا کریں گے۔ وہ ابھی تک نہیں لوٹے۔"

"نواب صاحب کے میک اپ میں کافی وقت لگے گا۔ اس وقت تک وہ ضرور آ جائیں گے۔" انہوں نے خوش مزاجی سے کہا اور خان رحمان اکڑ کر اپنی مونچھوں پر ہاتھ پھیرنے لگے۔

اسی وقت دروازے کی گھنٹی بجی۔ انداز محمود کا تھا۔

"لیجیے، وہ آ گئے۔" یہ کہہ کر وہ باہر کی طرف دوڑی۔

ادھر سے بیگم جمشید باورچی خانے سے نکل رہی تھیں، لیکن اسے دیکھ کر بُرا سا منہ بناتے ہوئے واپس مڑ گئیں۔ فرزانہ نے مسکراتے ہوئے دروازہ کھول دیا اور پھر چونک کر بولی:

"ارے، فاروق کہاں ہے؟"

"یہ دانت کس خوشی میں نکل رہے تھے؟" محمود بولا۔

"میں نے کیا پوچھا ہے؟" فرزانہ تنک کر بولی۔

"دھت تیرے کی، میں نے بھی تم سے کچھ پوچھا ہے۔" محمود نے بھی چڑ کر کہا۔

"چلو حساب برابر ہوا۔ آؤ اندر بات کرتے ہیں۔"

وہ اسے میک اپ روم میں لے آئی۔ یہاں محمود نے وفات خان کے گھر پیش آنے والے حالات کے بارے میں بتایا۔

"اوہو، کہیں فاروق الجھ تو نہیں گیا۔" انسپکٹر جمشید فکر مندانہ انداز میں بولے۔

"شاید ایسا ہوا ہو۔"

"اور ہم نہیں جانتے کہ بانکے میاں کا گھر کہاں ہے۔" خان رحمان بولے۔

"یہ تو خیر ٹیلی فون ڈائرکٹری سے معلوم کیا جا سکتا ہے۔" فرزانہ نے کہا۔

"ٹھیک ہے، اب میک اپ کا پروگرام ملتوی۔ پہلے فاروق

کے لیے کچھ کیا جائے گا۔" انسپکٹر جمشید اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ تینوں باہر نکلے ہی تھے کہ دروازے کی گھنٹی مسلسل بجنے لگی۔

انسپکٹر جمشید تیزی سے آگے بڑھے۔ ادھر انہوں نے دروازہ کھولا، ادھر کھچ کی آواز آئی اور ایک خنجر دروازے کی چوکھٹ میں آ لگا۔ فاروق آندھی اور طوفان کی طرح اندر گھستا چلا گیا۔ انسپکٹر جمشید نے خنجر پھینکنے والے کی جھلک دیکھ لی تھی۔ چنانچہ انہوں نے باہر کی طرف دوڑ لگا دی۔ حملہ آور اس وقت تک سڑک کا رخ کر چکا تھا۔ اس نے اپنے پیچھے دوڑتے قدموں کی آواز سنی تو بھڑک کر بھاگا، لیکن انسپکٹر جمشید بھلا اس کا پیچھا چھوڑنے والے کہاں تھے۔ چند سیکنڈ میں ہی اسے جا لیا۔ اس نے انہیں سر پر دیکھا تو اچانک ان کی طرف مڑا اور وہ ٹھٹک کر رک گئے۔ اس کے ہاتھ میں ایک چمکتا ہوا خنجر تھا۔ انہوں نے دیکھا، وہ شیدا تھا۔

آس پاس سے گزرنے والے خوف زدہ ہو گئے۔ ان سے دور ہٹ گئے۔ اسی وقت دوڑتے قدموں کی آواز ابھری، لیکن انسپکٹر جمشید اس وقت پیچھے مڑ کر دیکھنے کی پوزیشن میں نہیں تھے۔ وہ شیدے سے اچھی طرح واقف تھے۔ وہ ایک ماہر خنجر زن تھا۔ کسی وقت بھی اس کا خنجر ان کے سینے کا رخ کر سکتا تھا۔

"اب تم بچ نہیں سکو گے۔ بہتر ہو گا کہ خنجر پھینک دو۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ہرگز نہیں ۔۔۔ یا میں تمہیں ختم کر دوں گا یا خود ختم ہو جاؤں گا۔" اس نے کہا۔

"اگر تمہاری یہی مرضی ہے تو میں کیا کر سکتا ہوں۔" ان کے ان الفاظ کے ساتھ ہی شیدے نے ان پر خنجر کا وار کیا ۔۔۔ انہوں نے جھکائی دی اور دائیں ہاتھ کی ہڈی اس کی گردن پر رسید کر دی۔ وہ منہ کے بل دھپ سے گرا۔ ساتھ ہی اس کے منہ سے ایک بھیانک چیخ نکلی۔ جب وہ سیدھا ہوا تو بے شمار لوگوں کی چیخیں نکل گئیں ۔۔۔ اس کا خنجر اسی کے پیٹ میں اتر گیا تھا۔

"محمود، پولیس کو فون کرو۔" انہوں نے مڑ کر دیکھے بغیر کہا ۔۔۔ وہ جانتے تھے، خان رحمان اور محمود ان کے پیچھے آئے ہوں گے ۔۔۔ البتہ فرزانہ فاروق کے ساتھ ٹھہر گئی ہو گی۔

"جی بہتر۔" پیچھے سے محمود کی آواز آئی اور پھر پولیس کے آنے سے پہلے ہی شیدے نے دم توڑ دیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ گھر میں بیٹھے فاروق کا بیان سن رہے تھے۔ اس کے خاموش ہونے پر انسپکٹر جمشید بولے:

"ہمیں فوراً سیٹھ باری کے گھر جا کر ان کا بیان لینا ہو گا۔

ان کے بیان کی روشنی میں استاد بانکے کو فوری طور پر گرفتار کیا جا سکتا ہے۔ اس کے بعد ہم پولیس کو لے کر استاد بانکے کو گرفتار کرنے چلیں گے۔ میرا خیال ہے، اس کیس کے بارے میں اس سے بہت سی باتیں معلوم کی جا سکیں گی ۔۔۔ ہو سکتا ہے، اس کی زبان کھلوانے میں ہمیں دقت پیش آئے؛ تاہم یہ اتنا مشکل بھی ثابت نہیں ہو گا۔"

"لیکن ابا جان، وہ ہوٹل والا پروگرام۔"

"اس کام سے فارغ ہونے کے بعد، ابھی اس کے لیے کافی وقت ہے ۔۔۔ ہم نو بجے سے پہلے تو ویسے بھی ہوٹل میں داخل ہونا پسند نہیں کریں گے۔" انہوں نے کہا اور اٹھ کھڑے ہوئے۔

سیٹھ باری نے ان سب کو دیکھ کر حیرت زدہ انداز میں پلکیں جھپکائیں اور جب اسے یہ معلوم ہوا کہ وہ کس غرض کے لیے آئے ہیں تو اس کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں۔

"نہیں نہیں، میں استاد بانکے کے خلاف کوئی بیان نہیں دوں گا۔ وہ بہت خوف ناک آدمی ہے، اپنے بدمعاشوں کو بھیج کر میرا جوڑ جوڑ الگ کرا دے گا۔ اس کے آدمی انسانی جسم کی ہڈیاں توڑنے میں بہت ماہر ہیں۔"

"پولیس کو آپ کی حفاظت کے لیے مقرر کر دیا جائے گا۔

اور پھر آپ کے بیان کے تھوڑی دیر بعد اسے گرفتار کر لیا جائے گا۔ اس طرح آپ اس سے بالکل محفوظ ہو جائیں گے۔"

بہت دیر کی کوشش کے بعد انسپکٹر جمشید اسے بیان دینے پر آمادہ کر سکے۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ وہ ہوٹل گلنار میں جوا کھیلتے کھیلتے قرضہ لینے کی حالت کو پہنچا تھا اور یہ کہ قرضہ لینے کے لیے ہوٹل گلنار کے ایک کھلاڑی نے استاد بانکے میاں کا نام بتایا تھا۔

اس کی حفاظت کے لیے چار سادہ لباس والوں کو چھوڑ کر، اکرام اور پولیس والوں کو ساتھ لے کر استاد بانکے کی حویلی کی طرف روانہ ہو گئے۔ اب ان کے پاس استاد بانکے کی گرفتاری کا وارنٹ تھا۔

حویلی کا دروازہ بند تھا، لیکن جب اسے دھکیلا گیا تو وہ کھل گیا۔ پہلے تو انہوں نے زور زور سے دستک دی اور آخر کار اندر داخل ہو گئے۔

صحن میں میز اور کرسیاں اسی طرح بچھی تھیں، جس طرح فاروق دیکھ کر گیا تھا، لیکن اب یہاں کوئی بدمعاش نہیں تھا۔ البتہ استاد بانکے میاں اپنی کرسی پر ضرور موجود تھا۔ اس کا سر میز پر ٹکا تھا۔ یوں جیسے بیٹھے بیٹھے نیند نے آ لیا ہو اور اس نے سر میز پر ٹکا دیا ہو۔

"ہیلو بانکے میاں، بہت سو لیے۔ اب جاگ جاؤ۔" انسپکٹر جمشید کی بھرائی آواز گونجی، لیکن بانکے کے جسم میں کوئی حرکت نہ ہوئی۔ انسپکٹر جمشید چونک کر آگے بڑھے۔ انہوں نے بالوں سے پکڑ کر اس کا سر اوپر اٹھایا اور پھر یہ دیکھ کر بھونچکے رہ گئے کہ اس کے دل کے قریب ایک سوراخ تھا اور اس سوراخ میں سے خون نکل کر سرخ رنگ کے موٹے قالین میں جذب ہوتا جا رہا تھا۔

جواخانہ

جوں ہی وہ گاڑی سے اترے، چار باوردی ملازم ان کی طرف لپکے۔ خان رحمان اپنے حلیے اور لباس سے دور سے ہی نواب نظر آ رہے تھے — اور محمود، فاروق اور فرزانہ بھی پورے شہزادے نظر آ رہے تھے

"یقیناً" آپ ہی نواب وجاہت مرزا ہیں۔" ایک ملازم نے آگے بڑھ کر ادب سے جھکتے ہوئے کہا۔

"اور تم شاید ہوٹل گلنار سے آئے ہو۔" خان رحمان نے بارعب لہجے میں کہا۔ محمود، فاروق اور فرزانہ نے انہیں اتنے بارعب لہجے میں بولتے کبھی نہیں سنا تھا — انہوں نے بڑی مشکل سے ہنسی ضبط کی — انسپکٹر جمشید نے بھی منہ پھیر کر مسکراہٹ چھپائی۔

"یس سر، میں ہوٹل گلنار کا ہیڈ ویٹر آپ کی خدمت میں حاضر ہوں۔ یہ میرے ماتحت ہیں۔ ہم آپ کے استقبال کے لیے حاضر

ہوئے ہیں۔" اس نے کہا۔ یہ ایک بہت قدآور آدمی تھا۔

"ٹھیک ہے، ہم یہاں سے سیدھے ہوٹل ہی جانا پسند کریں گے۔ سفر نے ہمیں بہت تھکا دیا ہے۔"

ہوٹل کی ایک کار ان کے لیے لائی گئی تھی۔ اس میں وہ ہوٹل گلنار تک پہنچے۔ یہ بہت بڑا اور عظیم الشان ہوٹل تھا۔ گیارہ منزلیں اوپر اور دو منزلیں نیچے تھیں۔

"ہمارے لیے کون سی منزل پر کمرے مخصوص کیے گئے ہیں؟" انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

"ساتویں منزل کے کمرہ نمبر ۷۰۱ تا ۷۰۴۔" ہیڈ ویٹر نے کہا۔

"ہم سیدھے اپنے کمروں میں جانا پسند کریں گے۔ حساب کتاب کے لیے اپنے مینجر کو بھیج دینا۔ انہیں ایڈوانس کرایہ وغیرہ ادا کر دیا جائے گا"

"لیکن سر، ایڈوانس کی کیا ضرورت ہے۔ جب آپ کا ارادہ تشریف لے جانے کا ہو، بل ادا کر دیجیے گا۔" ہیڈ ویٹر نے کہا۔

"یہ ہمارا اصول نہیں۔" نواب صاحب بولے۔

"جیسے آپ کی مرضی۔" ساتویں منزل پر پہنچ کر انہوں نے بیروں کو دو سو اور ایک ایک سو روپے ٹپ دے کر رخصت کیا۔

ہوٹل کے کمرے انتہائی حد تک پر آسائش تھے۔ خان رحمان نے اندر داخل ہوتے ہوتے کہا:

"یار جمشید، یہاں کا تو کرایہ ہی بے تحاشا ہوگا۔"

"شش، جمشید نہیں، صرف سیکرٹری اور یار بھی نہیں۔" انہوں نے سرگوشی کی۔

"اوہ ہاں، سیکرٹری صاحب۔ ہم یہاں کے کرایوں کے بارے میں فکر مند ہیں۔" خان رحمان نے گڑبڑا کر کہا۔

"گھبرائیے نہیں، ہمارے پاس بھی نوٹوں سے بھرے ہوئے دو سوٹ کیس ہیں۔"

اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی۔

"یس، کم ان، دروازہ کھلا ہے۔"

ایک لمبے قد کا پتلا دبلا آدمی اندر داخل ہوا۔ اس نے انہیں ادب سے سلام کیا اور پھر بولا:

"میرے لیے کیا حکم ہے جناب، میں ہی اس ہوٹل کا مینجر ہوں۔"

"آپ کا نام؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"خادم کو دلشاد مصری کہتے ہیں۔"

"تو کیا آپ مصر کے رہنے والے ہیں یا پھر آپ کو مصری بہت پسند ہے۔" فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

"مصری سے آپ کی کیا مراد ہے؟" مینجر نے فاروق کی طرف دیکھا۔

"سفید شکر سے تیار کی جاتی ہے۔ قلموں کی شکل میں، دواؤں میں کام آتی ہے۔" فاروق نے بتایا۔

"جی نہیں، میرے آباؤ اجداد ادھر کے رہنے والے تھے۔"

"خیر چلیے کوئی بات نہیں۔" فاروق نے اس طرح کہا، جیسے اس کا مصری ہونا قابل اعتراض بات ہو۔ محمود اور فرزانہ نے گھور کر اسے دیکھا۔ انسپکٹر جمشید اور خان رحمان نے بڑی مشکل سے ہنسی ضبط کی۔

"تو مسٹر مینجر، یعنی کہ دلشاد مصری صاحب، ہم ایک ہفتے کا پیشگی کرایہ ادا کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ بھی چاہیں گے کہ آپ ہمیں ہوٹل کے متعلق تمام باتیں بتا دیں۔ اس کے کتنے دروازے ہیں، کل کتنے کمرے ہیں۔ ڈائننگ ہال میں کتنا رش ہوتا ہے۔ کچھ کھیلوں وغیرہ کا بھی بندوبست ہے یا نہیں، کیونکہ ہمارے نواب صاحب رات کو بہت دیر سے سونے کے عادی ہیں اور جب تک کوئی کھیل نہ کھیل لیں، انہیں نیند نہیں آتی۔" انسپکٹر جمشید کہتے چلے گئے۔

"ہیڈ ویٹر نے مجھے بتایا تھا کہ آپ نواب صاحب کے سیکرٹری ہیں، تو سیکرٹری صاحب، آپ کو فکر مند ہونے کی قطعاً

کوئی ضرورت نہیں۔ ہمارے ہوٹل میں ہر قسم کے کھیلوں کا
انتظام ہے۔ یہاں سوئمنگ پول بھی ہے۔ پانی میں چھلانگ
لگانے والے تختے بھی نصب ہیں۔ سوئمنگ پول تمام وقت
کھلا رہتا ہے۔ آپ کسی بھی وقت جاکر تیراکی کا لطف
اٹھا سکتے ہیں۔ اس ہوٹل کے تین دروازے ہیں۔ دو سامنے
ایک پیچھے۔ تینوں دروازے دن رات کے چوبیس گھنٹوں کھلے
رہتے ہیں، بند کیے ہی نہیں جاتے۔ تیراکی کے علاوہ یہاں
سب سے نچلی منزل میں جوا خانہ بھی ہے۔ جہاں مختلف طریقوں
سے جوا کھیلا جاتا ہے، لیکن یہ جوا غیر قانونی ہرگز نہیں،
اس لیے یہاں ہر شخص کھیلنے کے لیے آسکتا ہے۔ ہوٹل نے
حکومت سے باقاعدہ اجازت لے رکھی ہے، لہٰذا اگر آپ کو
تاش وغیرہ کی بازی یا دوسری قسم کے کھیلوں سے دل چسپی
ہو تو آپ رات کو نو بجے سب سے نچلی منزل میں تشریف
لے جاکر وقت گزار سکتے ہیں۔"

"لیکن ہم ذرا لمبا جوا کھیلنا پسند کرتے ہیں، کیونکہ ہمارے
پاس دولت بے حساب ہے۔ افریقہ میں ہماری سونے کی ایک
کان ہے، جس سے دن رات سونا نکالا جاتا ہے، لہٰذا ہمیں تو
یہ بھی معلوم نہیں کہ ہمارے پاس دولت کتنی ہے۔ کیا آپ
... میں لمبا جوا بھی ہوتا ہے۔"

"جی ہاں، کیوں نہیں۔ آپ نچلے حصے میں جاکر ہوٹل
کے مالک سے مل لیجیے گا۔ میں انہیں فون کر دوں گا۔" اس
نے کہا۔

"گویا مالک نیچے ہی رہتے ہیں۔"

"جی نہیں، ضرورت کے تحت اوپر بھی آتے ہیں۔ ذاتی
طور پر انہیں بھی جوئے سے دل چسپی ہے۔"

"جوئے خانے میں داخلے کا ٹکٹ تو ہوگا؟" انسپکٹر جمشید
بولے۔

"جی ہاں، بالکل ہے۔"

"ٹھیک ہے، ہم سب کے لیے ٹکٹ بھجوا دیجیے گا اور
اب آپ ایک ہفتے کا کرایہ بتائیے۔"

"صرف تیس ہزار روپے۔ کھانے پینے کی چیزوں کا بل
ہفتے کے بعد پیش کیا جائے گا۔" اس نے کہا۔ محمود، فاروق اور
فرزانہ دھک سے رہ گئے۔ لیکن سیکرٹری صاحب نے فوراً کہا۔

"بس، صرف تیس ہزار روپے فی ہفتہ۔ تب تو یہ ہوٹل
بہت سستا ہوا۔"

"جی ہاں، ہمارے ریٹ مناسب ترین ہیں۔" مینیجر نے مسکرا
کر جواب دیا۔

"سیکرٹری، انہیں تیس ہزار روپے نقد ادا کر کے رسید

لے لیں۔" خان رحمان ان کی طرف مڑے۔

"یس سر۔" انسپکٹر جمشید نے کہا اور ایک بڑا سوٹ کیس کھول ڈالا۔

منیجر نے ترچھی نظروں سے سوٹ کیس کو دیکھا۔ وہ سو سو روپے کے نوٹوں کی گڈیوں سے اوپر تک بھرا ہوا تھا۔ انسپکٹر جمشید نے اس میں سے تین پیکٹ نکال کر دے دیے۔ اور منیجر نے رسید لکھ دی، پھر اٹھتے ہوئے بولا۔

"نو بجے اگر آپ جوئے خانے میں جانا پسند کریں تو، بیرے کو رہنمائی کے لیے بھیج دیا جائے۔"

"ہاں ضرور۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

منیجر کے جانے کے بعد انہوں نے کمرے کا دروازہ اندر سے بند کر لیا۔

"انکل، آپ تو سچ مچ کے نواب لگ رہے ہیں۔"

"اور جمشید سچ مچ کا سیکرٹری۔" خان رحمان مسکرائے۔

"بھئی، ذرا احتیاط کرو۔ ہمیں یہاں بند کمرے میں بھی وہی کچھ نظر آنا چاہیے، جو ہم بنے ہوئے ہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"لیکن ابا جان، بھلا کسی کو کمرے سے باہر کھڑے ہو کر اندر ہونے والی گفت گو سننے کی کیا ضرورت۔" فرزانہ بولی۔

"یہ بات نہ بھولو کہ فاروق بانکے میاں کی حویلی تک پہنچ گیا تھا۔ پھر جب ہم سیٹھ باری کا بیان لے کر بانکے میاں کو گرفتار کرنے گئے تو اسے قتل کیا جا چکا [illegible] اسے کسی نے قتل کیا۔ تھوڑی دیر پہلے بانکے میاں کے حویلی میں موجود تھے، لیکن جب ہم وہاں پہنچے تو کوئی نہیں تھا۔ صاف ظاہر ہے، کوئی شخص یہ نہیں چاہتا تھا کہ ہم استاد بانکے کو گرفتار کریں اور اس سے پوچھ گچھ کریں، لہذا ہو سکتا ہے، اس نے ہماری متواتر نگرانی کی ہو اور اسے یہ بھی معلوم ہو کہ ہم یہاں کس روپ میں آئے ہیں۔ تم سمجھ ہی سکتے ہو، ان حالات میں ہمارے لیے بھی بہت خطرہ ہو گا۔" انسپکٹر جمشید دبی آواز میں کہتے چلے گئے۔

"اوہ۔" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

کھانا انہوں نے کمرے میں ہی منگوایا، پھر ٹھیک نو بجے کمرے کے دروازے پر دستک ہوئی۔ محمود نے دروازہ کھولا۔ تو بیرا کھڑا تھا۔

"مجھے اس لیے بھیجا گیا ہے کہ آپ کو جوئے خانے میں پہنچا دوں۔"

"چلو بھئی، ہم تیار ہیں۔" خان رحمان اٹھتے ہوئے بولے۔

جیبوں میں نوٹ وہ پہلے ہی ٹھونس چکے تھے۔

بیرے کے ساتھ لفٹ میں سوار ہوکر وہ نچلی منزل میں پہنچے۔ یہ ایک بہت بڑا ہال تھا، جس میں بڑی بڑی میزوں پر مختلف قسم کا جوا ہو رہا تھا۔ کچھ میزیں ایسی بھی تھیں، جن پر ایک ایک دو دو آدمی ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے تھے۔

"یہ لوگ بے کار کیوں بیٹھے ہیں؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ساتھیوں کے انتظار میں۔ لوگ آتے جائیں گے اور اپنے اپنے آدمی چنتے جائیں گے۔ دراصل ہر میز پر ہوٹل کے ملازم جواری ہوتے ہیں۔ وہ ہوٹل کے گاہکوں سے کھیلتے ہیں۔ اگر وہ جیتتے ہیں تو اس کا مطلب ہے، ہوٹل جیتتا ہے۔ اور اگر وہ ہارتے ہیں تو ہوٹل ہارتا ہے۔" بیرے نے بتایا۔

"تو کیا ہوٹل اپنے ان ملازمین کو نقدی دیتا ہے کھیلنے کے لیے؟"

"نہیں، پیتل کے بنے ہوئے ٹوکن۔ جوا ان ٹوکنوں کے ذریعے ہی ہوتا ہے۔ آپ کو بھی پہلے ٹوکن خریدنا پڑیں گے۔ ٹوکنوں کی خریداری کے سلسلے میں بکنگ کی کھڑکی موجود ہے۔ اسی طرح جب کوئی گاہک جیتتا ہے تو وہ اپنے ٹوکن

دے کر ان کی نقدی حاصل کر لیتا ہے۔"

"اس کا مطلب ہے، جوا بہت بڑے پیمانے پر ہوتا ہے۔" انسپکٹر جمشید حیران ہوکر بولے۔

"ہاں، یہاں لاکھوں روپے کا جوا روزانہ ہوتا ہے۔"

"سیکرٹری، تم ذرا ہمارے لیے بھی اور اپنے لیے بھی ٹوکن خرید لاؤ۔ کیوں بچو، تمہارا ارادہ بھی شغل کرنے کا ہے؟"

"جی نہیں، ہمیں تو معاف ہی رکھیں، البتہ ہم آپ کو کھیلتے ہوئے ضرور دیکھیں گے۔"

"سیکرٹری، تمہارا کیا خیال ہے؟"

"نہیں، میں بھی نہیں کھیلوں گا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ٹھیک ہے، تو پھر میرے لیے فی الحال ایک لاکھ روپے کے ٹوکن لے آؤ۔"

"جی بہتر۔" سیکرٹری نے کہا اور بکنگ کی طرف چلے گئے۔

"آپ کے لیے ایک خاص میز کا بندوبست کیا گیا ہے۔" بیرے نے انہیں ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے بتایا۔

"اس کا مطلب ہے، ہمارے لیے خاص ماہر جواری بٹھائے گئے ہیں۔" خان رحمان نے مسکرا کر کہا۔

"یوں تو ہمارے سبھی ملازم ماہر ہیں۔"

"ویسے عام طور پر ہوتا کیا ہے۔ گاہک جیتتے ہیں یا

ہوٹل کے ملازم ؟ فرزانہ نے پوچھا:

"کبھی وہ کبھی یہ" اس نے کہا۔

"میرا مطلب ہے، زیادہ تر کون جیتتا ہے ؟"

"میں نے یہ اندازہ لگانے کی کبھی کوشش نہیں کی۔ میرا کام صرف بیرا گیری کرنا ہے۔"

"گویا تم جوئے خانے کے بیرے ہو۔"

"جی ہاں، میں گاہکوں کی ہر خدمت کے لیے تیار رہتا ہوں۔ میرے علاوہ دوسرے بیرے بھی ہیں۔"

"تم بہت اچھے آدمی ہو۔ سیکرٹری اسے سو روپے ٹپ دے دو۔" خان رحمان نے خوش ہو کر کہا۔

"لیکن وہ تو ٹوکن خریدنے گئے ہیں۔" محمود بولا۔

"اوہ ہاں، یہ تو میں بھول ہی گیا ۔۔ خیر، ہم اپنی جیب سے دے دیتے ہیں۔"

"رہنے دیجیے نواب صاحب، ایک ہی بار دے دیجیے گا۔"

"نہیں بھئی، ہم روز کا حساب روز کرنے کے عادی ہیں۔"

اب وہ اس میز پر بیٹھ گئے جو ان کے لیے مخصوص کی گئی تھی۔ ابھی اس پر ہوٹل کا کوئی ملازم نہیں تھا ۔۔ یہ ایک بڑی میز تھی۔ اس کے گرد چھ کرسیاں بچھی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد انسپکٹر جمشید ٹوکن لے کر آ گئے۔ یہ سو، پانچ سو اور

ہزار روپے کی صورت میں تھے۔ گویا سو روپے سے کم کا جوا یہاں ہوتا ہی نہیں تھا۔

"میں زیادہ ٹوکن ہزار روپے والے لایا ہوں سر، کیوں کہ میں جانتا ہوں ۔۔ آپ چھوٹا جوا کھیلنے کے عادی نہیں ہیں۔"

"اچھا کیا تم واقعی ایک عقل مند سیکرٹری ہو۔ تم جیسے سیکرٹری چراغ لے کر ڈھونڈنے سے نہیں ملتے۔"

"تو آج کل چراغوں کا زمانہ رہا ہی کب ہے۔" فاروق نے منہ بنا کر کہا۔ محمود اور فرزانہ مسکرائے بغیر نہ رہ سکے۔

"اب ہم کوئی سیکرٹری گیس لیمپ لے کر تو ڈھونڈنے سے رہے۔" نواب صاحب نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"اوہو، آج تو ہوٹل کے مالک بھی آ رہے ہیں۔" بیرے نے چونک کر کہا۔ وہ ابھی تک ان کے پاس ہی کھڑا تھا، کیونکہ نواب صاحب اسے سو روپیہ دیتے دیتے بھول گئے تھے۔ اب اس کی آواز سن کر چونک گئے ۔۔

"ہائیں، شاید ہم نے تمہیں سو روپے کا نوٹ نہیں دیا۔ سیکرٹری، ایک نوٹ اسے بطور ٹپ دے دو۔"

"بہت بہتر سر، لو بھئی سو روپے والا ٹوکن۔"

"شکریہ جناب۔"

"تو کیا تمہارا ٹوکن بھی بکنگ سے بھنا دیا جائے گا۔" خان رحمان

کے لہجے میں حیرت تھی۔

"کیوں نہیں جناب" بیرا مسکرایا۔

"ہاں، تم نے کیا کہا تھا، ہوٹل کا مالک آ رہا ہے"۔ انسپکٹر جمشید بولے۔

"جی ہاں، لیجیے، وہ اسی طرف آ رہے ہیں"۔ بیرے نے کہا۔

انہوں نے مڑ کر دیکھا ــ ایک بھورے رنگ کا آدمی چلا آ رہا تھا ــ اس کی آنکھیں بھی بھوری تھیں۔ کپڑے سبز رنگ کے تھے۔ آنکھوں پر ایک تاریک شیشوں کی عینک تھی ــ اس کا جسم گٹھا ہوا تھا؛ البتہ قد درمیانہ تھا ــ ہاتھ پیر کا مضبوط دکھائی دیتا تھا۔

"ہیلو نواب صاحب، گریڈی آپ کو آداب کہتا ہے ــ یہ میرے ہوٹل کی عزت افزائی ہے کہ آپ یہاں تشریف لائے۔ میں نے سوچا، کسی ملازم کو آپ کے سامنے بٹھانا آپ کی شان کے خلاف ہوگا، لہذا میں خود ہی یہاں آ گیا ہوں۔ امید ہے کہ آپ میرے ساتھ کھیلنا پسند کریں گے"۔

"کیوں نہیں جناب، بڑی خوشی سے" خان رحمان نے خوش ہو کر کہا ــ پھر انسپکٹر جمشید سے مخاطب ہوئے:

"سیکرٹری بیٹھ جاؤ اور کھیل دیکھو ــ بچو، تم چاہو تو گھوم

پھر کر کھیل دیکھو، چاہو تو یہاں بیٹھ جاؤ"۔

"جی، ہم آپ کا کھیل ہی دیکھیں گے اور گھوم......"

فاروق کے الفاظ درمیان میں رہ گئے ــ اسی وقت نہ جانے کس طرف سے ایک زبردست قسم کے ڈیل ڈول والا آدمی ان کی میز تک پہنچ گیا ــ اس کے چہرے پر چھوٹی سی سیاہ رنگ کی ڈاڑھی تھی اور آنکھوں پر عینک ــ

"ہیلو گریڈی، آج تو تم میرے ساتھ کھیل رہے تھے" اس نے کہا۔

گریڈی نے چونک کر دیکھا، اور پھر پرجوش انداز میں بولا:

"آئیے آئیے راکی صاحب، میں تو بالکل بھول ہی گیا تھا کہ آج میرا آپ کے ساتھ کھیلنا طے ہے، بس کیا بتاؤں۔ نواب صاحب آج ہی تشریف لائے ہیں ــ میں نے سوچا، کہیں ان کی دل شکنی نہ ہو ــ اس لیے ان کی میز پر کھیلنے کا پروگرام بنا لیا ــ کیوں نہ آپ بھی اسی میز پر بیٹھ جائیں"۔

"چلو خیر، یونہی سہی، لیکن پہلے مجھے تم سے کچھ ضروری باتیں کرنا ہیں ــ اگر تم محسوس نہ کرو اور نواب صاحب بھی اجازت دے دیں تو"۔

"ہمیں کوئی اعتراض نہیں ــ کھیلنے کے لیے بہت وقت پڑا ہے ــ اور اگر آپ صرف ان کے ساتھ کھیلنا پسند کریں،

تو بھی ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے" خان رحمان نے پر اخلاق لہجے میں کہا۔

"ویسے آپ کی تعریف؟" انسپکٹر جمشید بول پڑے۔

"یہ میرے دوست مسٹر راکی ہیں۔ جب بھی یہاں کھیلنے آتے ہیں، صرف میرے ساتھ کھیلتے ہیں۔۔۔ آئیے مسٹر راکی پہلے میں آپ کی ضروری باتیں سن لوں۔"

دونوں اٹھے اور ایک کیبن کی طرف بڑھ گئے۔ اس کیبن پر گریڈی ہام کے نام کی تختی لگی ہوئی تھی۔ جلد ہی ایک بیرے کو کوکا کولا کی دو بوتلیں کیبن میں لے جاتے دیکھا گیا۔

"محمود، فاروق اور فرزانہ، میں تمہیں اپنے ساتھ اس لیے نہیں لایا کہ یہاں آکر ایک جگہ بیٹھ جاؤ۔۔۔ جاؤ گھوم پھر کر جائزہ لو۔"

انسپکٹر جمشید کی سرد آواز نے انہیں جھنجوڑ کر رکھ دیا۔ تینوں مشینی انداز میں اٹھ کھڑے ہوئے اور ٹہلنے کے انداز میں ہال کا چکر لگانے لگے۔

ابھی چند منٹ بھی نہ گزرے تھے کہ راکی اور گریڈی ہام کیبن سے نکلتے نظر آئے۔۔۔ پھر راکی نے نزدیک آتے ہوئے کہا:

"لیجیے نواب صاحب، آج کی رات میں نے گریڈی کو آپ کے لیے معاف کر دیا ہے۔ میں آج چھٹی ہی کروں گا۔"

انسپکٹر جمشید نے حیران ہو کر راکی کی طرف دیکھنا چاہا، لیکن وہ تو دوسری طرف مڑ چکا تھا۔۔۔ انہوں نے دیکھا، وہ اوپر جانے والی سیڑھیوں کی طرف جا رہا تھا۔

موقع اچھا ہے

"یہ راکی صاحب کون ہیں مسٹر گرینڈی ۔" خان رحمان نے انسپکٹر جمشید کی آنکھوں میں سوال پڑھ لیا۔

"ہے ایک بگڑا ہوا رئیس، زبردستی میرا دوست بن بیٹھا۔ اکثر میرے ساتھ جوا کھیلنے آ جاتا ہے ــ خود کو تاش کا بہت ماہر خیال کرتا ہے، لیکن ہمیشہ مجھ سے ہار کر جاتا ہے ۔"

"لیکن اس وقت وہ علیحدگی میں بھلا کیا کہنا چاہتا تھا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"حکومت کے کچھ بڑے بڑے لوگوں سے بھی اس کا ملنا جلنا تھا۔ مجھے بتا رہا تھا کہ میرے ہوٹل کے جوئے خانے کو بند کرنے کے بارے میں غور کیا جا رہا ہے، لہذا میں جو کچھ کر سکتا ہوں، کر لوں ۔"

"آپ کو تو باقاعدہ لائسنس ملا ہوا ہے، پھر بند کون کرے گا ۔"

"حکومت کے ہی آدمی ــ اور کون بند کرتا، لیکن میں ایسا نہیں ہونے دوں گا ــ حکومت کے چند آفیسروں کو خریدنا کون سی مشکل ہے۔ بس چند لاکھ روپے خرچ کر دوں گا ــ پہلے بھی کئی بار ایسے پروگرام بنائے گئے ہیں۔ لیکن آج تک جوئے خانہ بند نہیں ہوا ۔"

"سوال یہ ہے کہ بند کرنے کے بارے میں غور کرنے کی نوبت کیوں آئی ۔"

"ہارنے والے ہمیشہ یہی کہا کرتے ہیں کہ ان کے ساتھ بے ایمانی کی گئی ہے ــ ایسے کچھ لوگوں نے حکومت میں اپنے واقف لوگوں سے شکایت کی ہوگی؛ حالانکہ انہیں نہیں معلوم کہ یہاں سے بیشتر لوگ جیت کر بھی نکلتے ہیں ۔"

"گویا مسٹر راکی آپ کو خبردار کرنے آیا تھا ۔" خان رحمان بولے۔

"جی ہاں ۔"

"تب تو مسٹر راکی اچھا دوست ہوا ۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اور شاید وہ اسی ڈر سے آج کھیلنے نہیں بیٹھا کہ کہیں پولیس عین اس وقت جوئے خانے کا لائسنس منسوخ نہ کر دے، جب وقت وہ کھیل رہا ہو ۔"

"کیوں، اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ ظاہر ہے، یہاں جو

لوگ بھی موجود ہیں، وہ غیر قانونی جوا نہیں کھیل رہے، باقاعدہ اجازت سے کھیل رہے ہیں۔"

"لیکن پولیس لوگوں کے نام تو لکھ ہی لیتی ہے نا۔"

"اوہ، تب تو سیکرٹری، ہمیں بھی محتاط ہو جانا چاہیے۔" خان رحمان بوکھلا کر بولا۔

"آپ فکر نہ کریں، ایسی کوئی بات نہیں ہوگی، میں ذمے دار ہوں۔ آئیے شروع کریں۔"

"بھئی دیکھ لیں، مجھے تو ڈر لگ رہا ہے۔"

"اگر آپ پسند کریں، تو ہم آپ کے کمرے میں چلے چلتے ہیں۔"

"وہاں تو ہرگز جوا نہیں کھیلا جا سکتا۔ یہاں کے لیے تو پھر لائسنس ملا ہوا ہے۔" انسپکٹر جمشید نے فوراً کہا۔

"تو پھر اطمینان رکھیے۔ کچھ نہیں ہوگا۔"

"کیوں سیکرٹری، کیا خیال ہے؟"

"دیکھا جائے گا، آپ کھیل شروع کریں۔"

کھیل شروع ہوا۔ گریڈی ہام نے کارڈ تقسیم کیے۔ خان رحمان نے کارڈ دیکھے بغیر ایک لمبی رقم کے ٹوکن داؤ پر لگا دیے۔ گریڈی ہام نے بھی یہی کیا۔

اسی طرح رقم پر رقم ڈھیر کی جاتی رہی۔ آخر خان رحمان

نے کارڈ اٹھائے۔ ان کے پاس کافی بڑے کارڈ تھے، لیکن اتنے بھی نہیں کہ وہ اندھا دھند چالیں چلتے جاتے؛ تاہم انہوں نے ایک بار اور چال چلی، یہ دیکھ کر گریڈی ہام نے بھی کارڈ اٹھا لیے اور ان پر نظر ڈالنے کے بعد خان رحمان کی طرف دیکھا۔ انسپکٹر جمشید بغور اس کا جائزہ لے رہے تھے، انہیں صرف اتنا معلوم کرنا تھا کہ ہوٹل کے جوئے خانے میں بے ایمانی کس طرح کی جاتی ہے۔ اس کے بعد وہ پورے ہوٹل پر زلزلہ طاری کر سکتے تھے، لیکن جب تک وہ کوئی بے ایمانی نہ بھانپ لیتے۔ اس وقت تک ان لوگوں کے خلاف کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ خان رحمان کی طرف دیکھتے ہی گریڈی ہام نے کہا۔

"شو کریں۔"

اور خان رحمان نے کارڈ دکھا دیے۔ انہی کے کارڈ بڑے نکلے اور ٹوکنوں کا ڈھیر سیکرٹری صاحب نے اپنی طرف کھینچ لیا۔ تین چار بازیاں خان رحمان جیت گئے۔ پھر پانچویں بازی بہت لمبی چلی گئی اور چاروں بازیوں میں جیتی ہوئی رقم بھی انہوں نے اسی داؤ پر لگا دی اور بھی بہت سی رقم لگ گئی اور جب شو ہوا تو خان رحمان ہار گئے تھے۔ پھر تو جیسے ان کی ہار کا دور شروع ہو گیا۔ یہ دیکھ کر سیکرٹری صاحب بولے:

"میرے خیال میں نواب صاحب آج کے لیے اتنی ہی ہار کافی ہے۔ اب بس کیجیے۔"

"خاموش سیکرٹری، میں ہار ماننے والوں میں سے نہیں۔ یہ تم بھی اچھی طرح جانتے ہو۔" انہوں نے جھنجلا کر کہا۔

کھیل جاری رہا۔ خان رحمان زور شور سے ہار رہے تھے۔

ایسے میں انسپکٹر جمشید کو محمود، فاروق اور فرزانہ کا خیال آیا۔ انہوں نے چونک کر پورے ہال میں نظریں دوڑائیں، لیکن انہیں یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ محمود، فاروق اور فرزانہ کہیں بھی نہیں تھے۔

اسی وقت انہوں نے ایک بیرے کو تیزی سے اپنی میز کی طرف آتے دیکھا۔

○

تینوں ہال میں ایک ایک میز پر رکتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے کہ ایک پتلی سی گلی نظر آئی۔

"آؤ بھئی ذرا دیکھیں، اس گلی میں کیا ہے۔" محمود بولا۔

"اس گلی میں دونوں طرف کمرے ہیں، میں یہیں سے بتا سکتا ہوں۔"

"کمرے تو میں بھی دیکھ رہا ہوں۔ سوال یہ ہے کہ ان

کمروں میں کیا ہے۔" محمود نے بُرا سا منہ بنایا۔

"اب میں نجومی تو ہوں نہیں کہ یہ بتا دوں۔" فاروق بولا۔

"ایسی باتیں نجومی بھی نہیں بتا سکتے۔" فرزانہ بولی۔

محمود نے گلی میں ایک قدم رکھا ہی تھا کہ پیچھے سے آواز آئی:

"آپ اس طرف نہیں جا سکتے۔"

انہوں نے مڑ کر دیکھا تو ایک بیرا کھڑا انہیں گھور رہا تھا۔

"کیوں بھئی، اس طرف کیا ہے؟"

"یہ پرائیویٹ کمرے ہیں۔" اس نے بتایا۔

"اف خدا، کس قدر خواہش تھی ہماری کہ کبھی پرائیویٹ کمرے بھی دیکھیں، کیسے ہوتے ہیں۔ بھئی اب تو ہم ضرور دیکھیں گے۔" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

"جی نہیں، آپ ادھر نہیں جا سکتے۔ مسٹر گریڈی ہام کا حکم ہے کہ اس طرف کوئی نہ آنے پائے۔" اس نے ان کے آگے آتے ہوئے کہا۔

"آخر کیوں؟ ان میں ایسی کیا بات ہے؟" محمود بھی اڑ گیا۔

"ان کمروں میں تازہ دم جواری رکھے جاتے ہیں، وہ آرام کر رہے ہوتے ہیں۔ جوں ہی ہوٹل کے اس ہال میں کھیلتے کھیلتے کوئی ملازم جواری تھک جاتا ہے۔ وہ ان کمروں کا رخ کرتا ہے،

اور یہاں سے ایک تازہ دم جواری میز پر پہنچ جاتا ہے۔" بیرے
نے بتایا۔

" بھئی واہ، یہ تو خوب انتظام ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ
اگر ہم ان جواریوں کو آرام کرتے دیکھ لیں گے تو کون سی
قیامت آجائے گی۔" فرزانہ بولی۔

" اس طرح جواریوں کے آرام میں خلل پڑے گا اور مسٹر
گریڈی ہام اس بات کو قطعاً پسند نہیں کرتے۔"

" خیر، آپ کو معلوم ہونا چاہیے، ہم اس ہوٹل کے
بہت خصوصی مہمان ہیں اور مسٹر گریڈی ہام نے ہمیں خود گھومنے
اور پھرنے کی اجازت دے رکھی ہے۔"

" لیکن انہوں نے اس حصے میں گھومنے کی اجازت ہرگز
نہیں دی ہوگی۔"

" آپ جا کر معلوم کرلیں۔ ہم یہیں کھڑے ہیں۔ اگر مسٹر گریڈی
نے اجازت نہ دی تو ہم واپس لوٹ آئیں گے۔"

" میں یہ ضرور کروں گا، آپ یہیں ٹھہریے۔"

" بالکل یہیں تو ٹھہرے ہوئے ہیں۔" فاروق نے فوراً کہا۔

بیرا گریڈی ہام کی طرف چل پڑا۔ جوں ہی وہ ان سے
کچھ فاصلے پر پہنچا۔ محمود نے دبی آواز میں کہا:

" آؤ بھئی، موقع اچھا ہے۔"

اور تینوں گلی میں داخل ہوگئے۔ یہی نہیں، انہوں نے
پہلے ہی کمرے کے دروازے پر دستک بھی دے ڈالی۔ فوراً ہی
ایک بھاری بھرکم آواز آئی:

" کیا بات ہے نمبر سات۔ کیا کوئی گڑبڑ ہے۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی دروازہ کھل گیا اور وہ پلک
جھپکتے میں کمرے میں داخل ہوگئے۔ اندر ٹی وی چل رہا تھا،
لیکن اس کا رخ دروازے کی طرف نہیں تھا۔ اس کے سامنے
مسہریوں پر چند آدمی اوندھے پڑے تھے اور ٹی وی دیکھ رہے
تھے۔ دروازہ کھولنے والے نے بوکھلا کر کہا۔

" ارے ارے، کون ہو تم؟"

اس کی آواز سن کر مسہریوں پر لیٹے ہوئے آدمیوں نے
چونک کر دروازے کی طرف دیکھا اور پھر اچھل کر کھڑے ہو
گئے۔ ایک نے ٹی وی بند کردیا۔ پھر سب فرش پر آگئے۔
ان کی نظریں ان تینوں پر جم گئیں۔ ان میں سے دو دیوار
کی طرف بڑھے۔ دیوار میں دو بڑی بڑی الماریاں نصب تھیں۔
انہوں نے ان الماریوں میں ہاتھ ڈالے، پھر ہاتھ باہر نکالتے
ہوئے انہوں نے الماریاں بند کردیں۔ اب ان کے ہاتھوں
میں پستول نظر آئے۔ ان کی نالوں کے رخ ان تینوں کی طرف
تھے۔

"اگر ہمیں یہ معلوم ہوتا کہ یہاں ہمارے ساتھ یہ سلوک ہوگا تو ہرگز ادھر نہ آتے۔"

"کون ہو تم ؟"

"شہزادے۔" فاروق بولا۔

"شہزادے، کیا مطلب ؟"

"بھئی، شہزادے کا مطلب شہزادے ہی ہوتا ہے، ویسے ہم کسی بادشاہ کے بیٹے نہیں ہیں؛ البتہ ہم نواب صاحب کے بیٹے ضرور ہیں اور وہ ہوٹل کے معزز مہمان ہیں ـــ لہٰذا مسٹر گریڈی ہام نے ہمیں اجازت دی تھی کہ ہم ہال میں گھومیں پھریں۔"

"لیکن یہ ہال نہیں ہے۔" دروازہ کھولنے والے نے کہا۔ یہ ایک چپٹے سے چہرے والا آدمی تھا۔

"اب ہمیں کیا معلوم تھا کہ یہ کمرے ہال میں شامل نہیں ہیں ـــ لیجیے، ہم واپس چلے جاتے ہیں۔" فاروق نے لاپروائی کے انداز میں کہا۔

"ٹھہرو بھئی، تم اس طرح نہیں جا سکتے۔"

"تو پھر کس طرح جا سکتے ہیں ـــ ویسے اس طرح جانے میں کیا حرج ہے؟"

"ہم یہ معاملہ پہلے مسٹر گریڈی کے علم میں لائیں گے۔"

"لیکن وہ اس وقت نواب صاحب کے ساتھ کھیلنے میں مصروف ہیں۔"

"تو کیا ہوا، چلو تم کمرے سے باہر نکلو ـــ ہم انہیں گلی میں بلا لیتے ہیں۔"

"آؤ آؤ، تم دیکھ لینا ـــ مسٹر گریڈی ہام ہمیں کچھ نہیں کہیں گے۔" محمود نے سر کو جھٹک دیا۔

دونوں پستول والے آگے بڑھے ـــ انہوں نے اپنے باقی ساتھیوں کو اندر ہی موجود رہنے کا اشارہ کیا اور انہیں لے کر کمرے سے نکل آئے ـــ کمرے کا دروازہ فوراً ہی بند کر لیا گیا۔

"لو بھئی، تم یہیں ٹھہرو، ہم مسٹر گریڈی کو بلا کر لاتے ہیں۔ یہ گلی بند ہے، اس لیے تم بھاگ نہیں سکتے۔"

"بھلا ہم بھاگیں گے کیوں۔" فرزانہ نے منہ بنایا۔

"ٹھیک ہے۔" ایک نے کہا۔ اور دونوں گلی کی طرف مڑے۔ جوں ہی انہوں نے موڑ مڑا ـــ محمود نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، دوسرے کمرے کے دروازے پر دستک دے دی۔

"کیا ہوا نمبر سات! کیا کوئی گڑبڑ ہے؟"

فوراً ہی دروازہ کھلا اور وہ اندر داخل ہو گئے۔

گلی میں

بیرے نے میز کے نزدیک پہنچنے سے پہلے پیچھے مڑ کر دیکھا اور بوکھلا گیا۔ وہ فوراً اسی سمت میں پلٹ پڑا، جس طرف سے آیا تھا۔ انسپکٹر جمشید کو بہت حیرت ہوئی ۔۔ ادھر میز پر بازی بہت لمبی ہو چکی تھی ۔۔ ٹوکن پر ٹوکن ڈھیر کیے جا رہے تھے۔ خان رحمان کو اس مرتبہ اپنی جیت کا بہت پختہ یقین تھا۔ کیونکہ ان کے ہاتھ میں کافی بڑے کارڈ تھے، جب کہ دوسری طرف گریڈی ہام بھی ٹوکن پر ٹوکن شامل کر رہا تھا۔ اس کے پاس بھی بڑے کارڈ معلوم ہو رہے تھے۔ انسپکٹر جمشید نے بیرے کو تیز تیز چلتے ایک گلی میں داخل ہوتے دیکھا۔ اس گلی کو انہوں نے پہلی بار دیکھا تھا ۔۔ دور سے یہ صاف دکھائی نہیں دیتی تھی۔ انہوں نے میز کی طرف نظریں گھمائیں تو گریڈی ہام کو بہت پریشان پایا۔ خان رحمان اور گریڈی ہام نے پتے ابھی چند سیکنڈ پہلے اٹھائے تھے۔ اس وقت گریڈی ہام ذرا بھی پریشان

نظر نہیں آیا تھا۔ اگر اس نے اپنی پریشانی چھپانے کی کوشش بھی کی ہوتی تو انہیں پتا چل جاتا۔

"چال چلیے جناب۔" خان رحمان نے گریڈی ہام کو گم صم پا کر کہا۔

"اوہ ہاں، یہ لیجیے، ایک چال اور۔" اس نے ٹوکن ڈھیر پر ڈالتے ہوئے کہا۔

اسی وقت انسپکٹر جمشید نے گلی میں سے دو آدمیوں کو نکلتے دیکھا۔ اسی وقت وہ بیرا بھی گلی کے موڑ تک پہنچا تھا۔ دونوں نے بیرے کو گھورا۔ دبی آواز میں کچھ کہا اور پھر ان کی میز کی طرف بڑھنے لگے۔

"شو کیجیے جناب۔" خان رحمان نے اچانک کہا۔

"جی ۔۔" گریڈی ہام نے اس طرح کہا جیسے خان رحمان نے کوئی انوکھی بات کہی ہو۔

"میں نے کہا ہے، شو کیجیے، آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے۔"

"جی، جی ہاں ۔۔ طبیعت کچھ خراب ہو گئی ہے اچانک ۔۔ لیجیے، میں شو کیے دیتا ہوں۔" یہ کہہ کر اس نے اپنے کارڈ الٹ دیے ۔۔ خان رحمان نے بھی کارڈ دکھائے۔ ان کے کارڈ بڑے تھے، اس لیے ٹوکنوں کا ڈھیر انسپکٹر جمشید نے گھسیٹ لیا۔

معاف کیجیے گا، میرا سر بری طرح چکرا رہا ہے۔ میں کسی

ملازم جواری کو آپ کی میز پر بھیج دیتا ہوں۔ وہ جب تک آپ چاہیں گے، آپ سے کھیلتا رہے گا۔"

"کوئی بات نہیں جناب۔" خان رحمان خوش اخلاق لہجے میں بولے۔

"شکریہ۔" گریڈی ہام نے بجھی بجھی مسکراہٹ سے کہا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

انہوں نے دیکھا، اس کا رخ بھی گلی کی طرف تھا۔

"شاید محمود، فاروق اور فرزانہ نے ان کے درمیان ابتری پھیلا دی ہے۔" انسپکٹر جمشید دبی آواز میں بولے۔

"بھئی، تینوں بھی حیرت انگیز ہیں۔ آخر انہوں نے کیا کیا ہے۔" خان رحمان کے لہجے میں بلا کی حیرت تھی۔

"یہ تو ابھی خود مجھے بھی معلوم نہیں، لیکن میں اتنا جانتا ہوں کہ کچھ نہ کچھ ہوا ضرور ہے اور یہ بازی تم انہی تینوں کی وجہ سے جیتے ہو۔"

"ہائیں ہائیں، سیکرٹری۔ تم مجھے تم کہہ کر مخاطب کر رہے ہو۔ اگر کسی نے سن لیا تو کیا خیال کرے گا۔ یہ کس قسم کے نواب صاحب اور سیکرٹری صاحب ہیں۔" خان رحمان نے بوکھلا کر کہا۔

"ہاں واقعی، ہمیں محتاط رہنا چاہیے۔ آپ ذرا یہیں ٹھہریں،

میں ٹہلنے کے بہانے گلی کی طرف جاتا ہوں۔ آخر یہ تینوں ہیں کہاں۔" انہوں نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"خدا کرے، جہاں بھی ہوں خیریت سے ہوں۔" خان رحمان بولے۔

"آمین، میرے خیال میں وقت آ گیا ہے۔ اکرام کو خبردار کر دینا چاہیے۔" انہوں نے کہا۔

"لیکن تم اسے کس طرح خبردار کرو گے۔"

"میں اس کا انتظام پہلے ہی کر چکا ہوں۔ اکرام اپنے بہت سے ساتھیوں کے ساتھ اس وقت سادہ لباس میں ہوٹل کے کھانے والے ہال میں موجود ہے۔ وہ میرے ایک اشارے پر جوئے خانے میں موجود ہوگا، کیونکہ یہاں داخلے پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ اور پابندی اس لیے نہیں ہے کہ ہوٹل کے مالک نے سرٹیفکیٹ حاصل کر رکھا ہے۔" انہوں نے زہریلے لہجے میں کہا، پھر اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر کچھ کیا اور پھر ہاتھ نکالتے ہوئے بولے:

"ابھی تم سیڑھیوں سے اکرام اور اس کے ساتھیوں کو آتے دیکھو گے۔ میں ذرا گلی کے موڑ تک ہو آؤں۔"

"بہت اچھا۔" ان کے منہ سے نکلا۔

اور انسپکٹر جمشید غیر محسوس طور پر گلی کی طرف قدم اٹھانے

لگے ۔

گریڈی نام گلی سے نکلنے والے دونوں آدمیوں تک پہنچ کر رکا ۔ پھر تینوں گلی کی طرف بڑھے ۔ بیرا بھی ان کے پیچھے چلا ۔ گلی میں داخل ہوتے ہی ان میں سے ایک کے منہ سے نکلا :

"ارے ، وہ تینوں کہاں گئے ؟"

اسی وقت دوسرے کمرے کا دروازہ کھلا ۔ محمود ، فاروق اور فرزانہ کمرے سے نکلتے نظر آئے ۔ ان کے پیچھے دو آدمی پستول تانے باہر آ رہے تھے ۔

"یہ سب کیا ہے ؟" گریڈی نام کے منہ سے حیرت زدہ انداز میں نکلا ۔

"ہماری بے عزتی کا سامان ۔" فاروق بولا ۔

"میں تم سے پوچھ رہا ہوں ۔" گریڈی نے ان دونوں سے کہا ، جو اسے گلی سے میز کی طرف آتے ہوئے ملے تھے ۔

"یہ تینوں اچانک ہمارے کمرے میں گھس آئے تھے ۔ آپ نمبر سات سے پوچھیے نا ۔" ان میں سے ایک نے منہ بنا کر کہا ۔

"کیوں نمبر سات ۔" گریڈی نام بیرے کی طرف مڑا ۔

نمبر سات نے جلدی جلدی بتا دیا کہ کیا ہوا تھا ۔ اچانک گریڈی نام مسکرا دیا اور بولا :

"یہ ہمارے معزز مہمان ہیں ۔ کوئی بات نہیں ۔ ان پر پستول تان کر تم نے اچھا نہیں کیا ۔ پہلے مجھ سے بات کر لی ہوتی ۔ خیر ، آپ تینوں جائیے جناب ، ہال کی سیر کیجیے ۔"

"شکریہ مسٹر گریڈی نام ، ہم نے نمبر سات اور آپ کے ان آدمیوں کو پہلے ہی بتا دیا تھا کہ ہم معزز مہمان ہیں ۔" محمود نے بھی مسکرا کر کہا اور ہال کی طرف مڑ گیا ۔ فاروق اور فرزانہ نے بھی اس کا ساتھ دیا ۔

گلی کے موڑ پر پہنچ کر فرزانہ نے ترچھی نظروں سے گلی کی طرف دیکھا ۔ گریڈی نام ، نمبر سات اور چاروں ملازم ایک کمرے میں داخل ہو رہے تھے ۔ دوسرے ہی لمحے انہوں نے کمرہ بند ہونے کی آواز سنی ۔ عین اسی وقت انہوں نے اپنے والد کو اپنی طرف آتے دیکھا ۔

"ہیلو ، یہ تم کیا تیر مارتے پھر رہے ہو ؟" انہوں نے کہا ۔

"آپ تیر مارنے کی بات کر رہے ہیں ، یہاں پستول کی گولیاں کھانے والی صورت پیدا ہو گئی تھی ۔"

"جلدی بتاؤ ، کیا ہوا تھا ۔" وہ پرسکون آواز میں بولے ۔

محمود نے کمرے میں داخل ہونے کے طریقے کے بارے میں بتایا تو انسپکٹر جمشید بے ساختہ مسکرا دیے، پھر اس نے کمرے میں جو کچھ دیکھا تھا، بتا دیا ۔۔ اس کے بعد باہر نکلنے کے بعد وہ ایک بار پھر دوسرے کمرے میں گھس گئے تھے۔ یہاں بھی انہوں نے بالکل وہی کچھ دیکھا جو پہلے کمرے میں ۔۔ اسی طرح ٹی وی چل رہا تھا جو ان کے اندر داخل ہونے پر بند کر دیا گیا۔ اسی طرح الماریاں بند کی گئی تھیں۔ یہ سب کچھ بتا کر محمود خاموش ہو گیا۔

"ہوں، اور اب وہ سب ایک کمرے میں گئے ہیں۔ گلی خالی پڑی ہے۔ فرزانہ، کیا تم ایسے میں اپنے تیز کانوں سے فائدہ نہیں اٹھاؤ گی؟"

"یہ تو پیدا ہی تیز کانوں سے فائدہ اٹھانے کے لیے ہوتی ہے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"دھت تیرے کی۔ کسی وقت تو دوسروں کو معاف کر دیا کرو۔" محمود نے جھلا کر ران پر ہاتھ مارا۔

"لیجیے ابا جان، میں چلی، لیکن آپ بھی یہیں موجود رہیے گا۔"

"فکر نہ کرو، ہم پوری طرح چوکس رہیں گے۔" انہوں نے کہا۔

فرزانہ جلدی سے گلی میں داخل ہو گئی اور پھر اس نے اس دروازے سے کان لگا دیے، جس میں وہ سب داخل ہوئے تھے۔

کہاں کے نواب

"نمبر سات، یہ سب کیا ہے ؟" کمرے کے اندر گریڈی نام کہہ رہا تھا۔

"مجھے کچھ نہیں معلوم جناب، وہ تینوں گلی کی طرف آگئے تھے۔ گلی میں داخل ہونے لگے تو میں نے بتایا کہ اس طرف جانے کی اجازت نہیں، اس پر انہوں نے کہا کہ وہ معزز مہمان ہیں اور آپ نے خود انہیں گھومنے پھرنے کی اجازت دی ہے۔ یہ سن کر میں نے کہا کہ آپ لوگ ہال میں گھومیں پھریں، ادھر نہیں، کیونکہ ادھر تازہ دم جواری آرام کر رہے ہیں۔ اس پر انہوں نے کہا کہ وہ گلی کی سیر ضرور کریں گے، جا کر آپ سے اجازت لے آؤں، ہم یہیں کھڑے ہو جاتے ہیں۔ میں نے بھی مناسب سمجھا کہ آپ سے بات کر لوں — ہو سکتا ہے، یہ بہت ہی خاص مہمان ہوں، لہذا میں آپ کی میز کی طرف چل پڑا۔ نزدیک پہنچنے سے پہلے میں نے مڑ کر ان کی طرف دیکھا تو وہ غائب

تھے۔ گھبرا کر پلٹا تو ادھر سے پہلے کمرے کے کھلاڑی آتے نظر آئے ۔" یہاں تک کہہ کر بیرا خاموش ہو گیا۔

"کمرے کے دروازے پر اچانک دستک ہوئی تھی جناب، ہم سمجھے نمبر سات نے دستک دی ہے، کیونکہ ان کمروں کے دروازوں پر آج تک نمبر سات کے علاوہ کسی نے دستک دی بھی تو نہیں — دروازہ کھولا تو وہ تینوں اندر گھس آئے۔ اس وقت ٹی وی آن تھا اور الماریاں کھلی تھیں، لہذا میں نے فوراً اٹھ کر ٹی وی بند کیا — اس نے الماریاں بند کیں اور ان میں سے پستول نکال کر ان کی طرف تان دیے، پھر ہم ان تینوں کو لے کر باہر نکلے، تاکہ معاملہ آپ کے سامنے رکھا جائے، لیکن ہم ہال میں انہیں اس صورت میں لے کر نہیں نکل سکتے تھے، لہذا انہیں گلی میں ہی ٹھہرایا اور آپ کی طرف بڑھے ۔" یہاں تک کہہ کر پہلے کمرے کا کھلاڑی بھی خاموش ہو گیا۔

"اس کے بعد پھر ہمارے کمرے میں گھسے ہوں گے۔ ہم نے بھی بالکل وہی کیا جو پہلے کمرے والوں نے کیا ۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا، ان تینوں کو ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ میں خطرے کی بو محسوس کر رہا ہوں۔ ارے، میں نے نواب صاحب کے لیے کسی کو نہیں بھیجا۔ خیر، بھیج دیتے ہیں۔"

"معاف کیجیے گا جناب، کہیں یہ نواب کوئی نقلی نواب تو نہیں ہیں؟"

"کیا بات کرتے ہو۔ ان کی آمد کی اطلاع ہمیں فون پر ملی تھی۔ ہمارے ملازموں نے انہیں سٹیشن پر ریسیو کیا اور انہیں یہاں لائے۔ ان کے پاس نوٹوں کی گڈیوں کے سوٹ کیس بھرے ہوئے موجود ہیں۔ اتنی دولت سیر و تفریح کے لیے چھوٹے موٹے مالدار لوگ لے کر نہیں نکلا کرتے۔"

"تب پھر ان تینوں بچوں کی حرکت کو آپ کس خانے میں فٹ کریں گے؟"

"میں تو یہی کہوں گا؛ چونکہ بچوں میں تجسس کا مادہ بہت زیادہ ہوتا ہے، اس لیے انہوں نے ایسا کیا ہے؛ تاہم میں ابھی حفاظتی انتظامات کرتا ہوں۔"

یہ کہہ کر اس نے کمرے رکھے ہوئے فون کا ریسیور اٹھایا اور نمبر گھمانے کے بعد بولا:

"ہیلو راشد، آس پاس پولیس کے تو کوئی آثار نہیں ہیں؟"

"جی پولیس کے، نہیں تو ــ یہاں تو دور دور تک پولیس کا نام و نشان موجود نہیں ہے۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔

"اچھا اپنی آنکھیں اور کان کھلے رکھنا۔ کوئی خطرہ محسوس ہو تو مجھے فوراً بتا دینا۔"

"جی بہتر۔"

گریڈی ہام ریسیور بند رکھتے ہوئے زور سے چونکا۔ اس کے منہ سے بے ساختہ انداز میں نکلا:

"اوہو، میں راکی صاحب کی بات تو بھول ہی گیا۔"

"جی کیا مطلب؟" ایک کھلاڑی نے پوچھا۔

"تھوڑی دیر پہلے راکی صاحب آئے تھے۔ انہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ پولیس کے کچھ اعلیٰ افسر میرے جوئے خانے کو بند کرا دینا چاہتے ہیں۔ اب تو میں بھی یہی سوچ رہا ہوں کہ کہیں یہ لوگ میک اپ میں نہ ہوں اور دراصل یہ پولیس کے کچھ اعلیٰ افسر ہی نہ ہوں۔"

"تب تو آپ کو چاہیے کہ انہیں اچھی طرح ٹٹول لیں۔"

"ہاں، یہی کرنا ہوگا۔ تم سب یہیں موجود رہو ــ ہر طرح کے سامان سے لیس، میں انہیں کسی بہانے یہاں لے آتا ہوں۔" گریڈی ہام نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے، اگر وہ نقلی نواب ثابت ہوا تو ہم ان سے سمجھ لیں گے۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی کمرے میں قدموں کی آواز گونجی اور فرزانہ وہاں سے کھسک لی اور سیدھی ہال میں پہنچی ابھی میز تک نہیں پہنچی تھی کہ انسپکٹر جمشید اس سے آ لگے۔

"کیوں، کیا رہا ؟"

"معاملہ گڑبڑ ہے، انہیں ہم پر شک ہوگیا ہے اور اب وہ ہم سب کو اس کمرے میں لے جانا چاہتے ہیں، تاکہ ہمیں ٹٹول سکیں۔"

"ویری گڈ، یہی تو میں بھی چاہتا ہوں۔" انہوں نے خوش ہو کر کہا، پھر بولے :

"آؤ، اس کے باہر نکلنے سے پہلے ہی ہم میز پر بیٹھ جائیں۔" یہ کہہ کر انہوں نے محمود اور فاروق کو بھی اشارا کیا۔ چاروں میز پر پہنچے تو خان رحمان نے کہا :

"یار سیکرٹری، یہ کیا ہو رہا ہے۔ ابھی تک کوئی جواری بھی یہاں نہیں پہنچا۔"

انہیں جلدی جلدی صورتِ حال بتائی گئی۔ ان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں، پھر وہ بولے :

"تو پھر کیا اب ہمیں ان کے ساتھ جانا ہوگا۔"

"ہاں، ٹھہرو، پہلے میں دیکھ تو لوں، اکرام پہنچ چکا ہے یا نہیں۔"

انہوں نے پورے ہال پر ایک نظر ڈالی اور پھر ان کے چہرے پر اطمینان دوڑ گیا۔

اکرام اور اس کے ساتھی پہنچ چکے ہیں۔ فکر کی کوئی ضرورت

نہیں۔" یہ کہہ کر وہ اُٹھے اور ٹہلنے کے انداز میں اکرام کی طرف چل پڑے۔ اسی وقت انہوں نے گریڈی ہام کو گلی سے نکل کر خان رحمان کی طرف بڑھتے دیکھا۔

اکرام نے انہیں اپنی طرف آتے دیکھا تو خود بھی اٹھا اور ان کے نزدیک پہنچ گیا۔

"ہیلو اکرام، کام شروع ہوگیا ہے۔ گریڈی ہام ہم سب کو ایک کمرے میں لے جانا چاہتا ہے، تاکہ دیکھ سکے، ہم لوگ میک اپ میں تو نہیں ہیں۔ ہم اس کے ساتھ چلے جائیں گے۔ خطرہ ہوا تو تمہیں کود پڑنے کا اشارہ دیا جائے گا۔ تمہارے ساتھ کتنے آدمی ہیں ؟"

"ہال میں تو صرف پندرہ ہیں، لیکن ہوٹل کے باہر خفیہ مقامات پر سو کے قریب آدمی موجود ہیں۔"

"انہیں خفیہ اشارہ دو کہ ایک ایک دو دو کرکے پہلے اوپر والے ہال میں اور پھر جوئے خانے میں آ جائیں اور ہر طرح تیار رہیں۔"

"بہت بہتر، آپ فکر نہ کریں۔" اس نے کہا۔

انسپکٹر جمشید واپس مڑے اور میز کی طرف بڑھنے لگے۔ اسی وقت انہوں نے گریڈی ہام کو آتے دیکھا۔ جونہی وہ خان رحمان کے نزدیک پہنچا، وہ بول اُٹھے :

"کیا ہوا جناب، آپ نے اب تک کوئی کھلاڑی نہیں بھیجا ۔ کیا ہم یہاں سے اٹھ جائیں ۔"

"آپ کے لیے میں نے ایک اور بہت اچھا انتظام کیا ہے۔" گریڈی ہام نے خوشی سے بھرپور انداز میں کہا ۔

"اوہو اچھا، کیا انتظام کیا ہے۔"

"آیئے میرے ساتھ، آپ کا دل خوش ہو جائے گا ۔۔۔ اپنے سیکرٹری صاحب اور شہزادوں کو بھی ساتھ ہی لے چلیے۔"

"اچھی بات ہے ۔ ارے بھئی سیکرٹری ۔" یہ کہہ کر خان رحمان نے سیکرٹری کی تلاش میں نظریں گھمائیں اور پھر انہیں اپنی طرف آتے دیکھ کر جلدی سے بولے :

"بھئی سیکرٹری، تم نے سُنا، انہوں نے ہمارے لیے بہت اچھا انتظام کیا ہے۔"

"کیسا انتظام ؟" سیکرٹری صاحب نے حیرت بھری آواز میں کہا ۔

"ہمارے کھیلنے کا ۔ آؤ بچو، تم بھی چلو۔"

"چلیے جناب، ویسے تو میرا خیال ہے، آج کے لیے اتنا ہی کھیل کافی ہے۔" سیکرٹری نے تھکے تھکے انداز میں کہا ۔

"ارے نہیں بھئی، ابھی ہم جیتے ہی کیا ہیں۔"

"جیسے آپ کی مرضی۔" وہ بولے ۔

اور یہ ننھا سا قافلہ ایک بار پھر گلی کی طرف چل پڑا ۔۔۔ انسپکٹر جمشید نے اپنا ایک ہاتھ کمر کی طرف لاتے ہوئے اکرام کو اشارہ کیا ۔

"خبردار، ہم اوکھلی میں سر دیئے جا رہے ہیں۔"

وہ گلی میں داخل ہوئے تو دو کھلاڑی ایک کمرے کا دروازہ کھولے استقبال کرنے والے انداز میں کھڑے تھے ۔

"تشریف لایئے جناب۔" ان میں سے ایک نے کہا ۔

وہ سب ایک دوسرے کے پیچھے اندر داخل ہوئے ۔ فوراً ہی دروازہ بند ہونے کی آواز ابھری ۔ انسپکٹر جمشید چونک کر مڑے اور پھر گھبرا کر بولے :

"کیا مطلب ؟ یہ دروازہ کیوں بند کیا گیا ہے ؟"

"گھبرایئے نہیں، ہم یہاں پرسکون انداز میں کھیلنے کے لیے جمع ہوتے ہیں، تاکہ ہمیں کوئی بھی پریشان نہ کرے ۔ کیا آپ ایسا نہیں چاہتے۔"

"چاہتے تو ہیں۔" خان رحمان بولے ۔

"تو پھر کرسیوں پر تشریف رکھیے۔" گریڈی ہام بولا ۔

وہ کرسیوں پر بیٹھ گئے تو گریڈی ہام نے پراسرار لہجے میں کہا ۔

"آپ کہاں کے نواب ہیں نواب صاحب۔" اس کی آواز میں

گہرا طنز تھا۔

"یہ سوال پوچھنے کی کیا ضرورت پیش آ گئی — کیا ہم نے رجسٹر میں اندراج کراتے وقت یہ نہیں بتایا تھا کہ ہم کہاں کے نواب ہیں۔"

"مجھے وہ رجسٹر دیکھنے کا موقع نہیں ملا، میں آپ کی زبان سے سننا چاہتا ہوں۔"

"سیکرٹری، انہیں بتاؤ ___" خان رحمان بُرا سا منہ بنا کر بولے۔

"نواب صاحب آف ڈھولن پور ___" انسپکٹر جمشید نے باوقار انداز میں کہا۔

"میں نے ڈھولن پور کا نام آج تک نہیں سُنا۔ یہ کہاں ہے ___"

"ایک پہاڑی علاقہ ہے۔ یہاں سے چھ سو میل دور ___"

"کیا آپ اپنے کاغذات دکھائیں گے؟" اس نے کہا۔

"آخر کیوں، اس کی کیا ضرورت پیش آ گئی — کیا ہم نے آپ کے ہوٹل کا کچھ ادھار دینا ہے، یا آپ کا یہ خیال ہے کہ ہم ہوٹل کے بل ادا کیے بغیر یہاں سے بھاگ جائیں گے، کیا آپ کو معلوم نہیں، ہم ایک ہفتے کا پیشگی کرایہ ادا کر چکے ہیں۔"

"یہ بات مجھے مینجر سے معلوم ہو چکی ہے۔ اب یا تو آپ

اپنے نواب ہونے کا ثبوت پیش کریں؛ ورنہ میں کوئی اور قدم اٹھانے پر مجبور ہو جاؤں گا۔"

"کوئی اور قدم، کیا مطلب؟" نواب صاحب نے بھنا کر کہا۔

"آپ نے کوئی اور قدم کا مطلب پوچھا ہے۔" فاروق کے لہجے میں حیرت تھی۔

"تم چپ رہو، میں اس ہوٹل کی اینٹ سے اینٹ بجا دوں گا۔"

"وہ کیسے نواب صاحب؟" گریڈی ہام نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا۔

"اس ہوٹل کے بالکل سامنے ایک ہوٹل تعمیر کروا کے ___ اس میں صبح شام کھانا بالکل مفت کھلایا جائے گا۔ کھانے کے لیے آنے والوں کا شاہانہ انداز میں استقبال کیا جایا کرے گا۔"

"لیکن اس طرح بھی ہمارے ہوٹل کی اینٹ سے اینٹ نہیں بج سکے گی۔"

"تو پھر ہم اس کی کچھ اینٹیں اکھاڑ کر ایک دوسری سے بجانا شروع کر دیں گے۔" فاروق نے کہا۔

"کچھ بھی ہو، آپ کو ثابت کرنا پڑے گا کہ آپ واقعی ڈھولن پور کے نواب ہیں۔"

"جاؤ، نہیں کرتے ثابت۔ دیکھتے ہیں، تم کیا کر لیتے ہو،

ہاں۔" خان رحمان نے واقعی نوابی شان اختیار کرلی۔

"تب آپ لوگ اپنے ہاتھ اوپر اٹھادیں۔" ان الفاظ کے ساتھ ہی گریڈی ہام کے ہاتھ میں پستول نظر آیا۔

"ہائیں ۔۔ یہ کیا ۔۔ اب تم پستول بازی پر اتر آئے۔ سیکرٹری، ذرا ہمارا پستول بھی ہمیں دینا۔"

"ضرور نواب صاحب، کیا یہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے پاس پستول نہیں ہوں گے۔" یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید نے جیب کی طرف ہاتھ لے جانا چاہا، لیکن گریڈی ہام کی دھاڑ سن کر رک گئے۔

"خبردار، گولی مار دوں گا۔"

"سیکرٹری، میں یہ بے عزتی برداشت نہیں کرسکتا ۔۔ اب اس ہوٹل کی اینٹ سے اینٹ بجانا ہی پڑے گی۔"

"بہت بہتر نواب صاحب بجا دی جائے گی۔" انسپکٹر جمشید نے کہا ۔۔ محمود، فاروق اور فرزانہ نے اپنی ہنسی بہت مشکل سے روکی۔

"آپ لوگوں نے ہاتھ اوپر نہیں اٹھائے۔" گریڈی ہام غرایا۔

"اٹھا دیجیے نواب صاحب، دیکھ لیں گے ہم انہیں۔" انسپکٹر جمشید برا سامنہ بناکر بولے اور ان سب کے ہاتھ سروں سے اوپر اٹھ گئے۔

"چلو بھئی، انہیں بغور دیکھو، یہ لوگ میک اپ میں تو نہیں

ہیں۔" گریڈی ہام نے اپنے ساتھیوں کو اشارا کیا۔ وہ ان کی طرف بڑھے اور ان کے چہرے ٹٹولنے لگے، لیکن میک اپ انسپکٹر جمشید کے ہاتھ کا کیا ہوا تھا۔ ان کے پلے کیا پڑتا۔ آخر مایوس ہوگئے۔

"نہیں جناب، یہ لوگ میک اپ میں نہیں ہیں۔"

"غلط کہتے ہو، ہم لوگ واقعی میک اپ میں ہیں۔" انسپکٹر جمشید بول پڑے ۔۔

"کیا مطلب؟" گریڈی ہام نے تقریباً چیخ کر کہا۔

"میں نے کہا ہے کہ ہم لوگ واقعی میک اپ میں ہیں ۔۔ اگر یقین نہیں آتا تو یہ دیکھو۔" یہ کہہ کر انہوں نے سب سے پہلے اپنے چہرے سے میک اپ اتار دیا ۔۔ اب ان کا اصل چہرہ بالکل صاف نظر آیا ۔۔

گریڈی ہام خوف زدہ انداز میں پیچھے ہٹا۔ اس کے چہرے کا رنگ سفید پڑ گیا۔ نواب صاحب، اب آپ بھی میک اپ اتار دیں اور تم تینوں بھی۔"

"اچھا، بس اتنا ہی کام تھا اس میک اپ کا۔" خان رحمان بولے اور میک اپ اتار دیا ۔۔ محمود، فاروق اور فرزانہ نے بھی یہی کیا۔

"اف خدا، یہ ہم کیا دیکھ رہے ہیں۔" ایک کھلاڑی کے منہ

سے تھرتھر کانپتی آواز میں نکلا۔

"یہ ۔۔ یہ تو انسپکٹر جمشید ہیں اور یہ ۔۔" دوسرے نے جملہ درمیان میں ہی چھوڑ دیا۔ اس کی آواز گلے میں ہی کہیں پھنس کر رہ گئی۔

"آپ کیا چاہتے ہیں انسپکٹر جمشید۔" گریڈی ہام نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"وفات خان کون تھا۔ اسے استاد بانکے میاں کے آدمیوں کے خوف سے خودکشی کیوں کرنا پڑی؟"

"وفات خان ۔۔" گریڈی ہام نے خوف زدہ انداز میں دہرایا۔

"ہاں، وفات خان ۔۔ شام ٹھیک چھ بجے استاد بانکے میاں کے دو غنڈے اس کے دروازے پر پہنچے تھے، لیکن اس سے پہلے ہی وہ اپنا خاتمہ کر چکا تھا۔ اس سے ایک گھنٹا پہلے وہ نیشنل پارک میں میرے دو بچوں کو یہ خبر سنا چکا تھا کہ ٹھیک چھ بجے وہ اپنے گھر میں مردہ پڑا ہو گا ۔۔ اور یہی ہوا۔ کیا تم اس کے بارے میں بتاؤ گے؟"

"میں نہیں جانتا، وفات خان کون تھا اور نہ میں کسی استاد بانکے میاں کو جانتا ہوں۔" گریڈی ہام بولا۔

"تو پھر تم وفات خان کا نام سن کر خوف زدہ کیوں ہو گئے ہو؟"

"نہیں تو ۔۔ میں کیوں ہونے لگا خوف زدہ۔"

"ذرا آئینے میں اپنی صورت دیکھو ۔۔ خیر میرا اندازہ ہے کہ وفات خان تمہارے جوئے خانے کا بیرا تھا۔" انہوں نے کہا۔

گریڈی ہام اور بھی زور سے چونکا۔

"تو میرا اندازہ درست ہے۔ تم حیران ہو گے کہ میں نے یہ اندازہ کس طرح لگایا ۔۔ صرف اس طرح کہ اس ہوٹل میں جوا صرف دولت مند لوگ کھیل سکتے ہیں ۔۔ غریب لوگ تو سوچ بھی نہیں سکتے، لہذا یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ یہاں جوا کھیلتا رہا ہو اور پھر ہارنے کے بعد استاد بانکے میاں کے پاس قرضہ لینے چلا گیا ہو اور قرضے کی وصولی کے لیے استاد بانکے نے اپنے آدمی بھیج دیے ہوں ۔۔ مجھے اس کی امید نہیں، اسی طرح خاور صحرائی کے گھر استاد بانکے کے آدمی پہنچے تھے۔ وہ قرضہ وصول کرنے آئے تھے، لیکن اس نے بھی خودکشی کر لی۔ ہم سیٹھ باری کے گھر پہنچے، کیونکہ اس نے اپنی بیوی کے زیورات دے کر اپنی جان بچائی تھی؛ ورنہ اس کی انگلیاں توڑ دیتے، لہذا ہم سیٹھ باری کا بیان لینے کے بعد جب استاد بانکے کو گرفتار کرنے پہنچے تو اسے قتل کیا جا چکا تھا ۔۔ آخر اسے کس نے قتل کیا ۔۔ کسی کو ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ سیٹھ باری کو ہوٹل کے ایک کھلاڑی نے بتایا تھا کہ اگر وہ

قرضہ لینا چاہے تو استاد بانکے میاں کے پاس جائے۔ اس سے صاف ظاہر ہے۔ اس ہوٹل کا استاد بانکے سے خاص تعلق ہے۔ استاد بانکے میاں کچھ اور راز کی باتیں بھی جانتا ہوگا۔ جب ہوٹل کے مالک مسٹر گریڈی ہام نے دیکھا کہ ہم استاد بانکے میاں کو گرفتار کرنے جا رہے ہیں تو کسی آدمی کو بھیج کر اسے ختم کرا دیا گیا اور اس کے چیلوں کو وہاں سے فرار کرا دیا۔ کیوں ٹھیک ہے نا۔"

"نہیں، یہ غلط ہے کہ استاد بانکے میاں کو میں نے قتل کرایا ہے۔ باقی باتیں آپ کی ٹھیک ہیں۔ وفات خان واقعی یہاں بیرا تھا، لیکن اسے راز کی کچھ باتیں معلوم ہوگئیں، لہذا اسے ختم کرنے کا فیصلہ کر لیا گیا، لیکن یہ فیصلہ اس نے بھی دروازے سے کان لگا کر سن لیا۔ وہ یہاں سے نکل بھاگا۔ لیکن وہ پولیس کے پاس نہیں گیا۔ جانتے ہیں کیوں؟" یہاں تک کہہ کر گریڈی ہام رک گیا۔

"جانتا تو نہیں، اندازہ ضرور لگا سکتا ہوں۔ وہ کوئی سابقہ جرائم پیشہ ہوگا۔ ہو سکتا ہے، کوئی قاتل ہو۔ اس نے سوچا ہوگا، کہ پھانسی کے تختے پر چڑھنے کی بجائے، استاد بانکے میاں کے ذریعے درد ناک موت مرنے کی بجائے کیوں نہ خواب آور گولیاں کھالے۔"

"ہاں، آپ کا یہ اندازہ بھی بالکل درست ہے، لیکن آپ کا یہ اندازہ درست نہیں ہے کہ یہ سب کچھ....."

ان الفاظ کے ساتھ ہی ایک دھماکے کی آواز کمرے میں گونجی۔ ساتھ ہی ایک دل دوز چیخ ابھری۔

۲

نیا بھوت

دھماکے کی آواز گولی چلنے کی تھی ۔۔ انسپکٹر جمشید فوراً چلا اٹھے ۔

" فرش پر لیٹ جاؤ اور دروازے کے ساتھ والی دیوار کی طرف کھسک چلو "

انہوں نے فوراً ان کی ہدایت پر عمل کیا ۔۔ کسی ایک شخص کے گولی لگ چکی تھی ۔۔ کسے لگی تھی ، یہ دیکھنے کا موقع نہیں تھا ۔ انہیں تو حیرت یہ تھی کہ کمرے میں گولی کیسے چل گئی ۔۔ گریڈی ہام کے ہاتھ میں پستول ضرور تھا ، لیکن اس کا تو پستول والا ہاتھ ذرا بھی حرکت میں نہیں آیا تھا ، اگر آتا تو گولی کا رخ ان کی طرف ہوتا ، جب کہ ایسا نہیں ہوا تھا ۔

دیوار کی طرف لوٹ لگاتے ہوئے انہوں نے گردنیں گھما کر دیکھا ۔ ان کے ساتھ ہوٹل کے ملازم بھی لیٹ گئے تھے اور اسی طرف کھسک رہے تھے ، جب کہ گریڈی ہام کمرے کے درمیان میں

فرش پر پڑا بری طرح تڑپ رہا تھا ۔ اس کی پیشانی سے خون کا فوارہ ابل رہا تھا اور کمرے کا فرش اس کے خون سے رنگین ہوتا جا رہا تھا ۔ اسی وقت اوپر تلے کئی فائر ہوئے ۔ گولیاں سامنے والی دیوار سے ٹکرا کر واپس فرش پر گریں ۔ دیوار پر ان کے نشان پڑ گئے ۔۔ اب انسپکٹر جمشید نے دیکھا ۔ گولیاں دروازے کے اوپر بنے ایک سوراخ میں سے نکل رہی تھیں ۔

عین اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی ، پھر دروازہ زور زور سے دھڑ دھڑایا جانے لگا ۔۔ دیوار سے لگ کر انسپکٹر جمشید اٹھ کھڑے ہوئے اور دروازہ کھول دیا ۔

" کمرے میں آگے نہ بڑھنا اکرام ، دروازے کے اوپر سے ایک سوراخ میں سے گولیاں برس رہی ہیں ۔۔ گریڈی ہام ایک گولی کا نشانہ بن چکا ہے ۔" انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں روکتے ہوئے کہا ۔

" سوراخ سے گولیاں برس رہی ہیں ۔" اکرام کے منہ سے حیرت زدہ انداز میں نکلا ۔

" ہاں ، ہمیں اس کمرے سے نکل چلنا چاہیے ۔ گریڈی ہام کی لاش بعد میں حاصل کر لی جائے گی ۔۔ سب سے پہلے تو یہ سراغ لگانا ہے کہ گولیاں کس جگہ سے برسائی جا رہی ہیں ۔ صاف ظاہر ہے کہ اس کمرے کے اوپر والے کمرے سے سوراخ بنایا گیا ہے اور

اس سوراخ میں پستول کی نالی داخل کرکے فائرنگ کی گئی ہے۔ آؤ، قاتل اسی کمرے میں موجود ہے۔ سب سے پہلے ہمیں اس کمرے کو دیکھنا چاہیے۔"

ہوٹل کے ملازم بھی حد درجے سہمے ہوئے تھے۔ وہ بھی ان کے ساتھ ہی کمرے سے نکل آئے۔

"اس کمرے کے اوپر جو کمرہ ہے، اس تک تم میں سے کون ہماری رہنمائی کر سکتا ہے۔۔۔ اکرام، تم ان سب کمروں کے دروازے کھلوا کر اپنے چار چار آدمی اندر مقرر کر دو۔ ان میں موجود کھلاڑی نہ تو فرار ہونے پائیں اور نہ کوئی گڑبڑ کریں۔"

"جی بہتر۔" اکرام نے کہا۔

"میں آپ کو اوپر والے کمرے تک لے چلتا ہوں۔" نمبر سات نے کہا۔

"شکریہ، آؤ میرے ساتھ۔"

انسپکٹر جمشید اسے ساتھ لے کر گلی میں نکلے ہی تھے کہ انہیں ایک خیال آیا۔ انہوں نے اکرام کے کان میں کچھ کہا اور پھر نمبر سات کو ساتھ لے کر سیڑھیاں چڑھنے لگے۔ خان رحمان، محمود، فاروق، فرزانہ اور چند سادہ لباس والے بھی ان کے ساتھ تھے۔

اس سے اوپر والی منزل پر ایک کمرے کے دروازے پر پہنچ کر نمبر سات رک گیا۔

یہی کمرہ ہے جناب۔" اس نے کہا۔

کمرے کا دروازہ کھلا تھا اور اندر کوئی بھی نہیں تھا۔ وہ اندر داخل ہوئے اور دیوار کے آس پاس کا جائزہ لیا، تو انہیں وہ سوراخ نظر آ گیا۔ جس میں سے پچھلے کمرے میں دیکھا جا سکتا تھا۔ اس سوراخ سے گریڈی ہام کی لاش ابھی تک دیکھی جا سکتی تھی۔ اس کمرے میں ایک میز اور کرسی کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں تھا۔ سوراخ بھی ایک نہیں تھا۔ چاروں طرف کئی تھے، جن کے ذریعے گلی کے ہر کمرے کو دیکھا جا سکتا تھا۔

"یہ کمرہ کس کا ہے۔" انہوں نے نمبر سات سے پوچھا۔

"یہ کمرہ خالی رہتا ہے، کبھی کرائے پر نہیں دیا جاتا! البتہ اس کے دروازے پر تالا لگا رہتا ہے۔"

"اور اس تالے کی چابی کس کے پاس ہوتی ہے؟"

"مسٹر گریڈی کے علاوہ بھلا کسے یہ بات معلوم ہو سکتی ہے۔"

"ہوں، اور وہ اب اس دنیا میں نہیں رہا، لہذا یہ بات ہم اس سے نہیں پوچھ سکتے اور اس سوال کے جواب میں اس کیس کا حل پوشیدہ ہے۔ خیر دیکھا جائے گا۔۔۔ اگر تم ہماری مدد کرو تو ہم تمہیں وعدہ معاف گواہ بنا لیں گے۔ اس طرح تم شاید جیل جانے سے بچ جاؤ، یا تھوڑی بہت سزا ہو، کیوں کیا خیال ہے۔"

"میں ہر طرح تیار ہوں۔" اس نے کہا۔

"تو پھر نیچے چلو اور بتاؤ کہ بے ایمانی کس طرح کی جاتی ہے۔ ویسے تو میں اندازہ لگا چکا ہوں۔" انھوں نے مسکرا کر کہا۔

"آپ اندازہ لگا چکے ہیں؟" محمود کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں، اگر میرا اندازہ سننا ہی چاہتے ہو تو سن لو۔ گلی کے ہر کمرے میں ایک ایک ٹیلی ویژن موجود ہے۔ ہال میں ٹیلی ویژن کیمرے چھت میں نصب کیے گئے ہیں۔ یہ کیمرے ہر میز کے اوپر لگے ہوئے ہیں۔ پورے ہال کا منظر ان کیمروں کے ذریعے ٹیلی ویژن سیٹوں پر دیکھا جا سکتا ہے۔ وہاں کھلاڑی موجود ہوتے ہیں۔ یہ کھلاڑی ٹیلی ویژن پر صورت حال دیکھ کر کوئی بندوبست کر دیتے ہیں۔ وہ کیا بندوبست کرتے ہیں، اس کا جواب میں ان کمروں کا جائزہ لینے کے بعد بتا سکتا ہوں۔ یا پھر نمبر سات سے پوچھ لیں۔"

"چلو بھئی، تم ہی بتا دو۔" فاروق نے مسمسی صورت بنا کر کہا۔

"آپ کا خیال بالکل ٹھیک ہے جناب، بالکل یہی ہوتا ہے۔ ہر کمرے میں الماریاں بنی ہیں۔ ان الماریوں میں ہر قسم کی تاش کے پیکٹ رکھے ہیں۔ جس میز پر جس قسم کی تاش استعمال ہو رہی

ہے۔ اس قسم کے پیکٹ سے گاہک جواری کے پتوں سے ذرا بڑے پتے نکال کر اپنے کھلاڑیوں تک پہنچا دیے جاتے ہیں۔" اس نے بتایا۔

"لیکن کیسے؟" محمود کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہر الماری سے ایک پتلی سی سرنگ ہر میز کے نیچے تک جا رہی ہے۔ میز کے عین نیچے ایک گول سوراخ بنا ہوا ہے۔ سوراخ پر فرش کی رنگت کا ڈھکنا لگا ہے۔ میزیں فرش میں گڑی ہوئی ہیں۔ اس لیے اپنی جگہ سے ہلتی نہیں۔ کھلاڑی ڈھکنا ہٹا کر اپنا بازو اوپر کر دیتا ہے۔ اس کے ہاتھ میں تین کارڈ ہوتے ہیں۔ میز پر بیٹھا ہوا کھلاڑی اپنے کارڈ اسے دے کر دوسرے لے لیتا ہے۔ اس طرح گڈی میں کارڈوں کی تعداد بھی پوری رہتی ہے۔ گاہک کو دو ایک بار جتا بھی دیا جاتا ہے، بلکہ کئی مرتبہ تو کئی بازیاں شروع میں یا درمیان میں جتا دی جاتی ہیں۔ اس طرح یہاں آکر جوا کھیلنے والے یہ خیال نہیں کرتے کہ ان سے بے ایمانی ہو رہی ہے۔"

"لیکن ملازم کھلاڑی کو یہ کیسے پتا چلتا ہے کہ کونسی بازی جتانی ہے اور کونسی ہرانی؟"

"کھلاڑی کو کارڈ ہر بار ہی نہیں دیے جاتے، کیونکہ کبھی ان کے ہاتھ میں بھی بڑے کارڈ آ جاتے ہیں، لہٰذا اس مرتبہ اسے

کارڈ نہیں پہنچائے جاتے ۔ وہ سمجھ جاتا ہے کہ اس کے اپنے کارڈ ہی بڑے ہیں ۔ لیکن جو بازی اسے ہرانی ہوتی ہے، اس بازی کے لیے اسے بہت چھوٹے چھوٹے کارڈ دے دیے جاتے ہیں، اور وہ سمجھ جاتا ہے کہ یہ بازی اسے ہرانی ہے، لہٰذا وہ اسے زیادہ لمبی بھی نہیں لے جاتا اور جلد ہی ہار جاتا ہے ۔ اگر گاہک کوئی بہت موٹی آسامی ہے تو اسے بڑی بڑی رقمیں بھی جیتنے کا موقع دے دیا جاتا ہے، تاکہ وہ خوب جم کر کھیلے ۔ اس طرح میں نے یہاں لوگوں کو لاکھوں روپے ہارتے دیکھا ہے ۔"

"ہوں ۔ خاور صحرائی بھی یہاں جوا کھیلنے آیا کرتا تھا ؟"

"ہاں ، اس کے ہارنے کی رفتار بہت تیز تھی ۔" اس نے بتایا ۔

"لیکن بھئی ، گریڈی ہام کو کس نے گولی مار دی ؟" انسپکٹر جمشید سرسری لہجے میں بولے ۔

"اس سلسلے میں میں کیا کہہ سکتا ہوں جناب ۔"

"اس سے کم از کم ایک بات ضرور ثابت ہے اور وہ یہ کہ جوئے کے اس کاروبار کو صرف گریڈی ہام ہی نہیں چلا رہا تھا، اس سے اوپر بھی کوئی تھا ۔ وہ جو کوئی بھی ہے، گریڈی ہام کو اس نے ٹھکانے لگایا ہے، لہٰذا اب ہمیں اسے پکڑنا ہے ۔"

وہ نمبر سات کے ساتھ نیچے آئے ۔ جوا اب بند ہو چکا تھا ۔ اکرام کے ساتھی سب لوگوں کو گھیرے میں لیے کھڑے تھے ۔ ان کے چہرے سفید پڑ گئے تھے ۔ انسپکٹر جمشید نے پہلے گلی کے تمام کمروں کا جائزہ لیا اور نمبر سات کے بیان کو بالکل درست پایا گیا ۔

ہال میں جتنے گاہک موجود تھے ، انہیں جانے کی اجازت دے دی گئی ۔ باقی تمام کھلاڑیوں کو گرفتار کر لیا گیا ۔ کلرک کو تو پہلے ہی گرفتار کر لیا گیا تھا ۔ جس کمرے سے گولی چلائی گئی تھی اس میں سے انگلیوں کے نشانات اٹھاتے گئے ۔ اس کے بعد بکنگ کا جائزہ لیا گیا ۔ یہ دیکھ کر ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ بکنگ آفس میں نوٹوں کی صورت میں کوئی دولت موجود نہیں تھی ۔ آخر کلرک کو بلایا گیا ۔

"آج جس قدر دولت کے ٹوکن تم نے دیے ، وہ دولت کیا ہوئی ؟" انہوں نے پوچھا ۔

"مجھے حکم یہ ہے کہ نوٹوں کے پیکٹ فوری طور پر اس سوراخ میں ڈالتا جاؤں ۔" اس نے اشارا کرتے ہوئے کہا ۔

انہوں نے دیکھا ، فرش میں ایک مستطیل شکل کا سوراخ بنا ہوا تھا، جو بہت گہرا تھا ۔ اس کی گہرائی میں گھٹا ٹوپ اندھیرے کے سوا کچھ نہیں تھا ۔

"بھئی اکرام، ایک ٹارچ کا بندوبست تو کرو۔" انہوں نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

جلد ہی ٹارچ آ گئی۔ انہوں نے ٹارچ کی روشنی اندر ڈالی، پتا چلا، وہ ایک بہت گہرا خلا تھا۔ اس خلا کی تہ میں انہیں کچے فرش کے سوا کچھ نظر نہ آیا۔

"عجیب معاملہ ہے۔ آخر نوٹ کہاں جاتے ہیں۔" یہ کہتے ہوئے وہ بکنگ کلرک کی طرف مڑے۔

"اور جو لوگ جیت جاتے ہیں، ان کے ٹوکنوں کے بدلے تم رقم کہاں سے ادا کرتے ہو؟"

"وہ صندوقچہ موجود ہے۔ اس میں پچیس ہزار روپے میں پہلے ہی محفوظ کر دیتا ہوں۔ باقی اس خانے میں ڈالتا چلا جاتا ہوں۔ اور جب صبح چار بجے سب لوگ چلے جاتے ہیں، تو صندوقچے میں باقی بچ جانے والی رقم بھی اس خانے میں ڈال دیتا ہوں۔"

"یہاں سے جاتے وقت تمہاری تلاشی تو لی جاتی ہوگی۔"

"جی ہاں۔"

"اور وہ تلاشی کون لیتا ہے؟"

"ہیڈ ویٹر۔"

"ہیڈ ویٹر۔" انسپکٹر جمشید کے منہ سے نکلا۔ انہیں یاد آ گیا

کہ ہیڈ ویٹر انہیں لینے سٹیشن بھی پہنچا تھا۔

"اکرام، ہیڈ ویٹر کو بلاؤ۔" انہوں نے کہا۔

جلد ہی ہیڈ ویٹر ان کے سامنے موجود تھا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

"تم بکنگ کلرک کی تلاشی لیا کرتے ہو؟"

"ج، جی ہاں۔"

"کیا تم اندازہ لگا سکتے ہو کہ بکنگ کے خانے سے رقم کہاں جاتی ہوگی؟"

"بھلا میں کس طرح بتا سکتا ہوں جناب۔" اس نے کہا۔

"اکرام، اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ اس جگہ کو کھودا جائے۔ نیچے پہنچ کر ہی یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ رقم کہاں جاتی ہے۔"

"بہت بہتر جناب، کھدائی شروع کرا دیتے ہیں۔"

"ہاں۔" انہوں نے کہا۔ پھر نمبر سات اور ہیڈ ویٹر کی طرف مڑے۔

"آپ دونوں بھی ہمارے ساتھ رہیں۔ ہمیں قدم قدم پر آپ کی ضرورت پڑے گی۔"

"جی بہتر۔" انہوں نے ایک ساتھ کہا۔

کھدائی میں کئی گھنٹے لگے، لیکن تجسس کا یہ عالم تھا کہ وہ

وہاں سے ہلے بھی نہیں۔ آخر وہ اس سوراخ کی تہہ تک
کھودنے میں کامیاب ہو گئے۔ اکرام کو رسّی کے ذریعے نیچے
اتارا گیا۔ یہاں اس نے یہ عجیب منظر دیکھا کہ پتلی سی لوہے
کی سیڑھی اوپر جا رہی تھی۔ یہ دیکھ کر اس کی حیرت بڑھی۔
اس نے ٹارچ سے اشارہ دیا۔ اب انسپکٹر جمشید بھی اتر آئے۔

"ہوں، میں اوپر جاتا ہوں۔"

"لیکن جناب، ہو سکتا ہے، اوپر قاتل موجود ہو۔ وہ دو
قتل پہلے ہی کر چکا ہے۔ اب اور قتل کرنے سے نہیں چوکے گا۔"

"اب کیا کیا جائے۔ ہمیں تو اس تک پہنچنا ہی ہے۔"
انہوں نے کہا اور سیڑھیاں چڑھنے لگے۔ سیڑھی کے اختتام پر
انہیں ایک گول ڈھکنا دکھائی دیا۔ انہوں نے اوپر کی طرف
زور لگایا تو ڈھکنا کھل گیا۔ انہوں نے چند سیکنڈ تک انتظار کیا۔
پھر خدا کا نام لے کر سر اوپر کیا۔ انہوں نے دیکھا، یہ ایک
کمرہ تھا۔ کمرے کے فرش پر آ کر جب انہوں نے ڈھکنا بند
کیا تو وہ فرش کے بالکل ساتھ اس طرح مل گیا کہ جوڑ بغور
دیکھنے پر بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ اب انہوں نے اکرام کو بھی
اوپر بلا لیا۔

"اس طرح وہ ساری دولت حاصل کر لیتا تھا۔" انسپکٹر
جمشید بڑبڑائے۔

"عجیب چالاک مجرم ہے۔ اپنے اتنے آدمیوں کو تو پھنسوا دیا
اور خود بالکل محفوظ ہے۔" اکرام بڑبڑایا۔

کمرے کا دروازہ انہیں بند ملا، لہٰذا انہوں نے اکرام
سے کہا:

"اکرام، اس دروازے پر دستک دو۔ میرے خیال میں
یہ گلی میں ہی کوئی کمرہ ثابت ہو گا۔"

اکرام نے زور زور سے دستک دینا شروع کی۔ آخر باہر
سے دروازہ کھلا اور ایک سادہ لباس والے کی شکل دکھائی دی۔

"تو وہ سرنگ اس کمرے میں نکلی ہے؟"

"ہاں، وہ نیچے جا کر ساری دولت سمیٹ لاتا ہے اور
کسی نامعلوم جگہ رکھتا رہتا ہے۔ اب ہمیں اس نامعلوم جگہ کو
بھی تلاش کرنا ہو گا۔"

وہ پھر ہال میں آئے۔ گلی کا ایک ایک کمرہ دیکھا گیا۔
پورے ہال کو دیکھا گیا، لیکن دولت رکھنے کی جگہ کا سراغ
نہ لگ سکا۔ انسپکٹر جمشید کا خیال تھا کہ ہوٹل میں کسی جگہ دولت
کے انبار موجود ہیں۔

"ابا جان، مجھے وہ شخص راکی بہت یاد آ رہا ہے۔ آخر وہ
کون تھا۔ کیوں نہ آپ اس کے بارے میں پوچھ گچھ کریں۔" فرزانہ
نے انسپکٹر جمشید کو فکرمند دیکھ کر کہا۔

"ہوں، میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔"

راکی کے بارے میں کوئی بھی کچھ نہ بتا سکا کہ وہ گریڈی ہام کے ساتھ جوا کھیلنے اکثر آ جایا کرتا تھا۔ وہ گریڈی ہام کا دوست کس طرح تھا، کب سے تھا یا کہاں رہتا ہے۔ کچھ معلوم نہ ہو سکا۔

"گریڈی ہام کی موت نے سارا کام خراب کیا ہے۔ اس سے ہم سب کچھ معلوم کر لیتے۔" انسپکٹر جمشید قدرے جھنجلا کر بولے۔

"کیوں نہ ہوٹل کے تمام کمروں کی تفصیل طلب کر لی جائے۔ اور اس وقت جو کمرے خالی ہیں ان سب کو دیکھ ڈالا جائے۔" اکرام نے مشورہ دیا۔

"یہ کر دیکھنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔ اکرام مڑا ہی تھا کہ محمود کو کوئی خیال آیا۔

"ایک منٹ ٹھہریے انکل، مجھے ابھی ابھی ایک خیال آیا ہے۔ ابا جان، ذرا اس کمرے میں چلیے، جس میں آپ سرنگ کی سیڑھیاں چڑھ کر پہنچے تھے۔"

"وہاں کیا ہے؟" خان رحمان بولے۔

"مجھے ایک خیال سوجھا ہے۔ ذرا آئیے نا۔"

آخر وہ سب اس کمرے میں داخل ہوئے۔ محمود نے سرنگ کا ڈھکنا اٹھا دیا اور بولا:

"نوٹوں کے بنڈل اٹھا کر مجرم اس کمرے میں لاتا ہے، لیکن صاف ظاہر ہے کہ وہ اس کمرے سے بنڈلوں کے بنڈل اعلانیہ اٹھا کر نہیں لے جا سکتا۔"

"واقعی خیال تو شاندار ہے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"لہٰذا....." محمود نے ڈرامائی انداز میں لہٰذا کہا اور رک گیا۔ یہ دیکھ کر فرزانہ جھلا اٹھی۔

"اب زیادہ ہیرو بننے کی کوشش نہ کرو۔"

"اور تم بھی زیادہ جلنے بھننے کی کوشش نہ کرو۔" محمود نے کہا۔

"میرا خیال ہے تم دونوں پر کوشش نہ کرو کا بھوت سوار ہو گیا ہے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"بھئی واہ، اس بھوت کا نام ہم نے زندگی میں پہلی بار سنا ہے۔" خان رحمان خوش ہو کر بولے۔

"توبہ ہے تم سے۔ محمود، وقت ضائع نہ کرو۔"

"جی بہتر — میں یہ کہہ رہا تھا کہ کہیں اسی کمرے میں ایسا ہی ایک سوراخ اور تو نہیں — مطلب یہ کہ ادھر سے بنڈل نکالے اور ادھر ڈال دیے۔"

"اوہ۔" ان کے منہ سے نکلا اور پھر جب فرش کا بغور جائزہ لیا تو وہاں ایک اور گول سوراخ موجود تھا۔ جب ڈھکنا ہٹایا گیا تو نیچے سیڑھیاں نظر آئیں۔ ان پر جوش کی کیفیت طاری

ہوگئی ۔ انسپکٹر جمشید نے سب کو اوپر ہی روکا اور خود نیچے اترے ۔

نیچے ایک بہت بڑا ہال تھا اور اس ہال میں بے شمار لکڑی کی پیٹیاں تھیں اور ان پیٹیوں میں نوٹوں کی گڈیوں کی گڈیاں بھری پڑی تھیں ۔۔ نہ صرف گڈیاں بلکہ سونے کے بھی انبار لگے تھے ۔۔ شاید مجرم ساتھ ساتھ نوٹوں کو سونے میں تبدیل کرنے کا کام بھی کرتا رہتا تھا ۔

"اور اب ہمیں صرف مجرم کو پکڑنا ہے ۔"

انسپکٹر جمشید کی آواز نے انہیں چونکا دیا ۔۔ وہ اوپر آرہے تھے ۔ اوپر آکر انہوں نے جو کچھ دیکھا تھا، تفصیل سے بتا دیا ۔۔

جزا اور سزا

"کیا آپ جان چکے ہیں کہ مجرم یعنی ہوٹل کا اصل مالک کون ہے، یہ بات تو ثابت ہو چکی ہے کہ گریڈی ہام ہوٹل کا اصل مالک نہیں تھا ۔۔ اگر تھا، تو بھی اس پر کوئی اور [illegible] ہوا تھا اور حکم اس کا چل رہا تھا ۔" فرزانہ نے جلدی جلدی کہا ۔

"ہاں، تمہارا خیال ٹھیک ہے، لیکن یہ جاننے کے لیے کہ یہ ہوٹل دراصل کس کا ہے، ہمیں یہ معلوم کرنا پڑے گا کہ اسے کس نے بنوایا تھا اور یہ کہ یہ کس کی ملکیت ہے ۔ اب اس کا کون مالک ہے وغیرہ ۔۔ لیکن یہ معلوم کرنے کے لیے ہمیں پرانے ریکارڈ دیکھنے ہوں گے ۔۔ صاف ظاہر ہے کہ میونسپل کارپوریشن سے ہوٹل کا نقشہ پاس کرایا گیا ہوگا اور اس سے بھی پہلے زمین خریدی گئی ہوگی ۔ ہمیں انتقال اراضی کے دفاتر بھی کھنگالنے ہوں گے ۔ اس طرح بہت سا وقت ضائع ہوگا ۔ کیوں نہ میں ایک سیدھا سادا طریقہ اختیار کروں ۔" آخر میں ان کا لہجہ عجیب سا ہوگیا ۔۔

"جی کیا مطلب، سیدھا سادا طریقہ" محمود کے منہ سے نکلا۔

"ہاں بھئی، بعض اوقات لوگ تفتیش کرتے کرتے بہت دور نکل جاتے ہیں یا پھر بہت طویل راستہ اختیار کر لیتے ہیں، لیکن تم جانتے ہی ہو، یہ میری عادت نہیں، میں تو ناک کو سامنے سے ہی پکڑنے کا عادی ہوں۔"

"تو کیا آپ مجرم کی ناک کو بھی سامنے سے ہی پکڑیں گے؟" فاروق درمیان میں بول پڑا۔

"ہاں، دیکھو نا۔۔ دفاتر میں تفتیش کرنے کے لیے اب ہمیں کم ازکم صبح کا انتظار تو کرنا ہی پڑے گا، پھر کچھ وقت تفتیش میں بھی لگے گا اور پھر اس ساری تفتیش سے بھی شاید ہم مجرم تک نہ پہنچ سکیں، تو کیوں نہ ہم بالکل سیدھا راستہ اختیار کریں۔"

"اور وہ سیدھا راستہ کیا ہے؟" فاروق نے بے چین ہو کر پوچھا۔ باقی سب بھی بُری طرح بے تاب نظر آرہے تھے۔

"بھئی لوہے کی ان دونوں سیڑھیوں پر صرف اور صرف مجرم کے نشانات ہو سکتے ہیں اور کسی کے بھی نہیں۔ اس مرتبہ صرف میں نیچے اترا تھا اور میں نے احتیاط بھی کی کہ سیڑھیوں کے جنگلے پر ہاتھ رکھے بغیر اترا اور اوپر آیا، لہذا اکرام فوراً اپنے ماتحتوں کو اس کام پر لگا دو۔ ہم سب ہال میں بیٹھ کر نشانات ملنے کا انتظار کریں گے۔ دوسرے یہ کہ ہوٹل میں موجود تمام ملازمین کی

انگلیوں کے نشانات بھی حاصل کر لیے جائیں اور ان سب کا سیڑھیوں پر پائے جانے والے نشانات سے موازنہ کیا جائے۔" یہ کہتے ہوئے انہوں نے ایک کاغذ پر کچھ لکھا اور اکرام کو دیتے ہوئے بولے:

"اس طریقے پر عمل کرنے سے تمہیں اس کام میں زیادہ وقت نہیں لگے گا۔"

"ابا جان، یہ کون سا طریقہ ہے؟" فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

"بیٹے، میں اسے دو جمع دو برابر ہے چار کہا کرتا ہوں۔"

"بھئی واہ، یہ تو بہت آسان طریقہ ہے۔"

"ہاں، ہمارے تفتیش کرنے والے ہمیشہ مشکل طریقے اختیار کرتے ہیں. گھماؤ پھراؤ والے طریقے، جب کہ میں ناک سامنے سے پکڑ لیتا ہوں۔۔ اس کے لیے ہمیں کیا ضرورت ہے کہ ہاتھ کو الٹا کیا جائے یا گھما کر لایا جائے۔"

"آپ تو ہر لمحے سسپنس میں اضافہ ہی کرتے جا رہے ہیں۔" فرزانہ نے بے قرار ہو کر کہا۔

"ذرا صبر کرو فرزانہ، صبر کا پھل ہمیشہ میٹھا ثابت ہوتا ہے. آؤ ہم ہال میں چلیں۔ انکل اکرام کو اپنا کام کرنے دیں۔"

وہ ہال میں آکر بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر بعد اکرام کے ماتحت وہاں بھی ملازمین کی انگلیوں کے نشانات لینے کے لیے آئے. انہوں

نے کسی بھی شخص کو نہ چھوڑا۔ یہاں تک کہ کچھ ملازمین نے اعتراضات بھی کیے، لیکن کسی کا کوئی اعتراض نہیں سنا گیا۔ کام جاری رہا۔

"جہاں تک میرا خیال ہے، ابا جان کو معلوم ہو چکا ہے کہ مجرم کون ہے — اب تو بس ضابطے کی کارروائی پوری کی جا رہی ہے۔" فرزانہ بول پڑی۔

"کیوں ابا جان، کیا فرزانہ کا خیال ٹھیک ہے؟" محمود نے ان کی طرف غور سے دیکھا۔

"تم اپنا خیال بتاؤ۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"میرا بھی یہی خیال ہے۔"

"اور فاروق، تم کیا کہتے ہو؟"

"میرا تو خیال یہ ہے کہ آپ مجرم کو اب نہیں، بہت پہلے پہچان گئے تھے — اس وقت جب ہم اس جوئے خانے میں آ کر بیٹھے ہی تھے اور پھر گریڈی نام آکر بیٹھ گیا تھا۔"

"خان رحمان، تم کیا کہتے ہو؟" وہ ہنسے۔

"میں، بھئی میں بھلا کیا کہوں گا۔ میں کوئی جاسوس تو ہوں نہیں۔" انہوں نے منہ بنایا۔

"لیکن انکل، آپ ہمارے ساتھ تو رہتے ہیں۔" محمود نے فوراً کہا۔

"گویا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ میں چونکہ تمہاری صحبت میں میں رہتا ہوں، اس لیے مجھ پر بھی کچھ اثر ہونا چاہیے۔ یعنی خربوزے کو دیکھ کر خربوزے کو رنگ پکڑنا چاہیے، لیکن افسوس تو یہی ہے کہ میں خربوزہ نہیں، ایک ریٹائرڈ فوجی ہوں۔" انہوں نے بے چارگی کے عالم میں کہا اور وہ مسکرانے لگے۔

"اچھا تو پھر فیصلہ سنو، فاروق کا خیال زیادہ حد تک درست ہے۔" انہوں نے کہا۔

"کیا؟" محمود اور فرزانہ کے منہ سے حیرت زدہ انداز میں نکلا۔

"گویا آپ نے مجرم کو جوئے خانے میں آنے کے بعد ہی پہچان لیا تھا۔"

"ہاں، اس سے دراصل ایک غلطی ہو گئی تھی۔ اب اسے کیا معلوم کہ میرا مشاہدہ کتنا تیز ہے — میں ہمیشہ معمولی سے معمولی چیز کو بھی بغور دیکھتا ہوں۔" انہوں نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

"اور وہ کیا معمولی سی چیز تھی ابا جان۔" فرزانہ بری طرح بے چین نظر آنے لگی — محمود اور فاروق کا حال بھی مختلف نہ تھا — خان رحمان بھی پوری طرح دلچسپی لیتے نظر آ رہے تھے۔ اس موقعے پر اس کے منہ سے نکلا۔

"یار جمشید، جلدی بتاؤ۔ اس وقت تو مجھے بھی ایک جاسوسی ناول کا لطف آ رہا ہے۔۔ جن میں عام طور پر آخر میں پہنچ کر معاملہ بہت سسپنس فل ہو جاتا ہے۔"

"لیکن میں اکرام کی طرف سے رپورٹ ملے بغیر کچھ بھی نہیں کہہ سکوں گا۔" انہوں نے مسکرا کر انکار میں سر ہلایا۔

"اچھا بھائی، لے لو لطف ہماری بے چینی سے۔" انہوں نے کندھے اچکائے۔

اکرام کا کام تقریباً دو گھنٹے میں ختم ہوا۔ آخر وہ رپورٹ لیے ان کے پاس آیا۔ وہ اسے لے کر ہال کے ایک الگ گوشے میں چلے گئے، پھر مسکراتے ہوئے میز پر آئے اور بولے:

"آخر میرا اندازہ درست نکلا۔۔ لیجیے صاحبان، میں مجرم کا اعلان کرتا ہوں۔۔ اس ہوٹل کے اصل مالک اور قاتل اور بے ایمان جواری اور بے ایمانی سے کروڑوں روپے کی دولت جمع کرنے کے مجرم دراصل مسٹر راکی ہی ہیں۔"

یہاں تک کہہ کر وہ یک لخت خاموش ہو گئے۔

○

چند لمحے حیرت کے عالم میں گزر گئے۔ آخر محمود نے لب کھولے:

"لیکن ابا جان، یہاں مسٹر راکی ہیں کہاں؟"

"یہی تو مزے کی بات ہے کہ مسٹر راکی موجود ہیں۔ پہلی بار مسٹر راکی سے ہماری ملاقات سٹیشن پر ہوئی تھی۔ انہوں نے بتایا تھا کہ وہ ہوٹل گلنار کے ہیڈ ویٹر ہیں۔"

"کیا؟" ان کے منہ سے ایک ساتھ چیخنے کے انداز میں نکلا۔

"ہاں، شاید یہ اپنے کسی ملازم پر بھروسا کرنا پسند نہیں کرتے۔۔ اس لیے ہوٹل میں ہیڈ ویٹر بن کر ہر طرف نگاہ رکھتے ہیں، تاکہ کوئی انہیں ہی چکر نہ دے جائے۔ ان کی حقیقت کا صرف گریڈی ہام کو پتا تھا۔ انہوں نے گریڈی ہام کو ملازم رکھا ہوگا اور پھر اسے نقلی مالک کی حیثیت دے دی ہوگی، تاکہ یہ خود پوشیدہ رہ کر دولت کے ڈھیر جمع کرتے رہیں۔ انسان بھی کیا چیز ہے۔ اس کا لالچ کبھی ختم نہیں ہوتا۔ حرص کی آگ کبھی نہیں بجھتی۔ زمانے بھر کی دولت جمع کرنے کے بعد بھی اور دولت جمع کرنے کی حرص رہتی ہے۔ یہی حال مسٹر راکی کا ہے۔ ہوٹل سے جائز آمدنی بھی بہت معقول ہو جاتی ہوگی۔ یہ اس سے اپنا گزارا بخوبی کر سکتے تھے۔۔ لیکن لالچ نے انہیں کہاں کہاں پہنچا دیا۔ پہلے انہوں نے زمین خریدی ہوگی، پھر اس پر ہوٹل تعمیر کرایا ہوگا اور ہوٹل میں یہ جوا خانہ تعمیر کرایا۔ اس میں

خفیہ راستے رکھے، تاکہ لوگوں کو زیادہ سے زیادہ ٹھگا جاسکے، پھر استاد بانکے میاں سے گٹھ جوڑ کیا۔ یہاں سے کنگال ہونے والوں کو استاد بانکے میاں کے گھر کا راستہ دکھا دیا جاتا، تاکہ وہ وہاں جاکر سود پر ادھار لیں اور اپنی جائیدادوں سے بھی ہاتھ دھولیں۔ بعد میں جائیدادیں فروخت کرکے یہ دونوں ان کی دولت تقسیم کرلیتے ہوں گے۔ رہا گریڈی ہام، وہ بے چارہ تو بس نام کا مالک تھا جو راکی کے اشاروں پر ناچتا تھا۔ فاروق، تم نے ٹھیک کہا تھا۔ میں نے مجرم کو اسی وقت پہچان لیا تھا جب یہ ہماری میز پر آیا تھا۔ اسے دیکھ کر گریڈی ہام کی آنکھوں میں میں نے خوف کی جھلک صاف دیکھی تھی۔ پھر یہ گریڈی ہام کو کیبن میں لے گیا تھا۔ بیرا وہاں دو بوتلیں بھی لے گیا تھا، لیکن ہال میں آتے وقت مسٹر راکی نے غلطی یہ کی کہ اپنا لباس تو تبدیل کرلیا، حلیہ بھی بدل لیا، لیکن جوتے تبدیل کرنا بھول گئے۔ جب میں نے مسٹر راکی کے پیروں میں وہی جوتے دیکھے جو ہیڈ ویٹر کے پیروں میں دیکھے تھے تو میں حیران رہ گیا۔ مسٹر راکی دراصل گریڈی ہام کو یہ بتانے آئے تھے کہ انہیں ہم پر شک ہے اور یہ شک انہیں استاد بانکے میاں کی گرفتاری کے بارے میں جان کر ہوا تھا۔ انہوں نے بروقت اپنا کوئی آدمی بھیج کر ان کا کام تمام کرادیا۔ ضرور انہوں نے اپنے کچھ آدمی بھی رکھے ہوتے ہوں گے،

جنہیں یہ خفیہ طور پر ہدایات دیتے ہوں گے۔ یہ سب میرے اندازے ہیں، لیکن حالات اور واقعات کی کڑیاں ملنے پر جو اندازے قائم ہوتے ہیں۔ وہ ذرا کم ہی غلط ثابت ہوتے ہیں، لہذا مسٹر راکی کے چہرے کے تاثرات بتا رہے ہیں کہ میرے اندازے بالکل درست ہیں۔ اس کے بعد کے واقعات تو سبھی کو معلوم ہیں۔ ہاں، شاید یہ نہ معلوم ہو کہ میں نے اس کیبن میں کوکا کولا کی دونوں بوتلوں پر سے بھی انگلیوں کے نشانات اٹھوالیے تھے۔ مسٹر راکی اس کیبن میں گریڈی ہام کے ساتھ چند منٹ بیٹھے تھے۔ اب اکرام کی لائی ہوئی رپورٹ یہ بتاتی ہے کہ بوتل پر پائے جانے والے انگلیوں کے نشانات اور لوہے کی سیڑھی کے جنگلے پر پائے جانے والے انگلیوں کے نشانات ہیڈ ویٹر کی انگلیوں سے بالکل ملتے ہیں، لہذا ثبوت بالکل مکمل ہے۔ مسٹر راکی کا ہمیشہ کا پروگرام یہ تھا کہ اگر کبھی کوئی گڑبڑ بھی ہوگئی تو گریڈی ہام کو عین گرفتاری کے وقت ختم کردیا جائے گا۔ ان کا سراغ کوئی نہیں لگا سکے گا، لہذا یہ دولت سمیٹ کر پھر بھی عیش کریں گے۔ دوسرے یہ کہ بعد میں کاغذات کی رو سے یہ بھی ثابت کرسکتے تھے کہ ہوٹل دراصل ان کا ہے۔ انہوں نے گریڈی ہام کو کرائے پر دے رکھا تھا۔ ہوسکتا ہے۔ انہوں نے اس سے کوئی کرایہ نامہ بھی

لکھوا رکھا ہو۔"

"ہاں، آپ کا یہ اندازہ درست ہے۔ میں نے بالکل ایسا ہی کیا ہے، لیکن میں آپ کو ایک بات بتاؤں" اس نے پہلی مرتبہ زبان کھولی۔

"ضرور ضرور" انسپکٹر جمشید خوش دلی سے بولے۔

"آپ مجھے گرفتار نہیں کر سکتے، نہ آپ کی عدالت مجھے سزا دے سکتی ہے، ہا ہا ہا ہا۔" اس نے ایک طویل قہقہہ لگایا۔

"کیا مطلب؟" انسپکٹر جمشید چونکے۔

"مطلب یہ کہ جب میں نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ آپ کی تفتیش اب مجھ تک پہنچنے ہی والی ہے تو میں نے زہر کا ایک کیپسول منہ میں رکھ لیا تھا اور اب میں اسے چبا رہا ہوں۔ ایسے ہی کسی موقعے کے لیے میں نے کیپسول جیب میں رکھا ہوا تھا۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی انسپکٹر جمشید اس کی طرف بڑھے، لیکن اس سے پہلے وہ کیپسول چبا چکا تھا۔ فوراً ہی وہ تیورا کر گرا۔ اس کے بدن میں تھرتھری دوڑ گئی اور پھر چند سیکنڈ بعد ہی اس کا جسم ساکت ہو گیا۔

"یہ کیا ہوا ابا جان؟" فرزانہ کے منہ سے نکلا۔

"کیوں، کیا بات ہے؟" وہ بولے۔

"اسے اس کے جرائم کی سزا تو مل ہی نہ سکی۔"

"نہیں بیٹی، ایسا نہ کہو۔ یہ لوگ اگر یہ سمجھتے ہیں کہ موت کے بعد کوئی زندگی نہیں، کوئی سزا اور جزا نہیں تو سمجھتے رہیں۔ لیکن ہمارا ایمان ہے، انسان کو اس کے جرائم کی سزا اگر اس دنیا کی عدالت میں نہیں مل سکی تو دوسری دنیا کی عدالت میں بہرحال مل کر رہے گی۔ قیامت تک کے لیے قبر کا عذاب اور پھر قیامت کے بعد دوزخ کا کبھی نہ ختم ہونے والا عذاب۔ میں تو یہی کہوں گا۔ اس نے نرم سزا کی بجائے سخت ترین کا انتخاب کیا ہے۔"

ان کے الفاظ سن کر فرزانہ کا سر جھک گیا۔ انہوں نے محسوس کیا۔ ان کے والد نے اس وقت ایک اٹل حقیقت بیان کی ہے۔